شاہ عبدالرحیم، مُحدِّث دہلوی

یٰسٓ اختر مصباحی
بانی وصدر دارالقلم، نئی دہلی

شاہ ولی اللہ، مُحدِّث دہلوی، اپنے والد ماجد، شاہ عبدالرَّحیم محدِّث دہلوی (وصال ۱۲/صفر ۱۱۳۱ھ/۱۷۱۹ء) کے اَحوال وآثار کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

میرے والد ماجد، شاہ عبدالرَّحیم، دہلوی فرماتے تھے کہ:

مجھے آغازِ کار میں (اپنے نانا) شیخ رفیع الدین محمد، دہلوی (فرزند شیخ قطبُ العالَم، فرزندِ شیخ عبدالعزیز، شکربار، دہلوی، فرزندِ شیخ حَسَن، دہلوی، فرزند شیخ طاہر، جون پوری) کے

مَزارِ مبارک کے ساتھ، موانست ورَغبت پیدا ہوگئی تھی۔

چنانچہ، میں وہاں جاکر، ان کے مزار کو، مرکزِ توجُّہ بنایا کرتا تھا۔

اکثر وبیشتر، غَیبَت کا، ایسا حال، طاری ہوتا کہ:

مجھے سردی وگرمی کے احساس سے بھی بے نیاز کر دیتا تھا۔

والد صاحب (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) فرماتے تھے کہ:

شیخ رفیع الدین محمد نے آخری وقت میں ایک دن اپنا تمام اَثاثُ البَیت، جمع کیا۔

اور وارثوں میں تقسیم کردیا۔ اولاد میں سے، ہر ایک کو، اس کے حسبِ ضرورت دیا۔

جب، چھوٹی اولاد کی باری آئی

تو، انھیں، مشائخ کرام کا شجرہ، خاندانی اَوراد

اور فوائدِ طریقت پر مشتمل ایک چھوٹا سا رسالہ، عنایت فرمایا۔

شیخ رفیع الدین محمد کی رفیقۂ حیات نے کہا کہ:

یہ بچی، غیر شادی شدہ ہے۔ اسے تو جہیز اور اَسبابِ خانہ چاہیے، نہ کہ رسائلِ تصوف!

فرمایا: یہ رسائل، ہمیں، مشائخ سے ملے ہیں۔ اس عفیفہ کے بطن سے، اس معنوی میراث کا

مستحق ایک بچہ پیدا ہوگا۔ ہم نے یہ میراث، اسی کے لئے دی ہے۔

باقی رہے اَسبابِ خانہ، تو وہ، خدا میسَّر کردے گا۔ اس کی ہمیں، فکر نہیں۔

بہت عرصے بعد، جب مَیں (عبدالرحیم) پیدا ہوا، اور ہوش سنبھالا

تو اللہ تعالیٰ نے ہماری جَدَّۂ محترمہ کے دل میں یہ بات ڈال دی۔

اور انھوں نے وہ رسائل مجھے دے دیے۔'' الخ۔

(بَوَارِقُ الْوِلایۃ۔ مشمولہ: اَنفاسُ العارفین۔ مؤلِّفہ: شاہ ولی اللہ، محدِّث دہلوی۔ اردو ترجمہ از سید محمد فاروق القادری۔ مطبوعہ: مکتبۃُ الفلاح، دیوبند ضلع سہارن پور۔ یوپی۔ انڈیا)

والد ماجد (شیخ عبدالرَّحیم، دہلوی) فرماتے تھے کہ:

میرے خالو، شیخ عبدالحیُّ، نہایت نیک مَرد تھے۔

جو، دنیا سے رُوگرداں، اور طریقِ اَسلاف پر، گامزن تھے۔

وہ، اپنی اولاد کی تربیت میں بہت کوشاں رہے، مگر اولاد، ان سے متاثر، نہ ہوسکی۔

جس کے سبب، وہ، ہمیشہ، رَنجیدہ رہتے تھے۔ ایک روز مجھے دیکھا کہ:

میں نے، باوجود کم عمر ہونے کے، سَر سے پگڑی اتار کر گھٹنے پر رکھی ہوئی تھی۔

اور تمام سُنَّتوں اور نوافل کی رعایت کے ساتھ، وضو کر رہا تھا۔

مجھے، اس حالت میں دیکھ کر، ان کا دل، کِھل اٹھا۔

اور وہ، خدا کا شکر، ادا کرنے لگے۔ اور کہنے لگے کہ:

جب، میں نے اپنی تربیت کا کوئی اثر اپنی اولاد میں نہ دیکھا

تو ڈرا کہ شاید، ہمارے اَسلاف کا روحانی سلسلہ، ہمارے بعد منقطع ہوجائے۔

مگر، ابھی معلوم ہوا کہ: اس کی میراث، ہمارے خاندان میں موجود ہے۔

جو، اگرچہ، سلسلۂ فرزندان میں سے نہیں ہے، مگر، یہ کیا کم ہے کہ:

دخترِ نیک اختر کے نسب سے تو ہے۔

کاتبُ الحروف (ولی اللہ، دہلوی) کہتا ہے کہ:

ہمارے اَسلاف کا روحانی دستور، یہ چلا آرہا تھا کہ:

ہر صدی میں طریقۂ چشتیہ کی نسبت کے حامل رہے ہیں۔

اور اکثر وبیشتر، ہر جانے والا، آنے والے کی بشارت دیتا چلا آرہا ہے۔

اور یہ سلسلہ، اسی طرح چلتا رہا ہے۔
والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) نے فرمایا کہ:
میں، نو (۹) یا۔ دس (۱۰) برس کا تھا کہ سلسلۂ نقشبندیہ سے متعلق ایک بزرگ
خواجہ ہاشم، نامی، بُخارا سے تشریف لائے اور ہمارے محلّے میں قیام پذیر ہوئے۔
وہ، مجھ پر، اکثر، توجُّہ فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ:
میں، ایک درود شریف جانتا ہوں، جس کے پڑھنے سے آدمی، دولت مند ہو جاتا ہے۔''
میرا دل، اُس وقت، تمام تعلقات سے بے زار تھا۔ میں نے کہا:
اللہ تعالیٰ، والد ماجد کے ذریعہ، میری ضرورت پوری کر دیتا ہے۔ مزید اِحتیاج نہیں رکھتا۔''
یہ سُن کر، وہ، خاموش ہو گئے۔ چند دنوں بعد، پھر فرمانے لگے:
مجھے، بزرگوں سے ایک دُعا ملی ہے۔
جسے کوڑھی پر دَم کیا جائے تو، کوڑھ، فوراً، کافور ہو جاتا ہے۔''
میں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اس مرض سے محفوظ رکھا ہے۔
اور اگر، کوئی کوڑھی، نظر پڑا، تو آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔ اس پر، وہ خاموش ہو گئے۔
کچھ دنوں بعد فرمایا: درود اور دُعا سے ہماری غرض، تمہیں شکار کرنا تھا۔
کیوں کہ تم، اچھی اِستعداد رکھتے ہو۔ مگر، معلوم ہوا کہ تم، انتہا درجے کے بلند ہمت ہو۔
دراصل، ہم چاہتے ہیں کہ اَشغالِ صوفیہ میں سے کسی شغل کو اپنا مطمحِ نظر بناؤ۔''
میں نے کہا: سرآنکھوں پر۔
اس پر، انھوں نے مجھے شغل ''اِستِکتاب'' کی تلقین فرمائی۔
یعنی، اسمِ ذات (اللہ) کو، لگاتار کسی تختی، یا۔ کاغذ پر لکھتے رہنا۔
تاکہ کثرتِ نگاہ کے سبب، قوتِ متخیّلہ میں، جاگزیں اور پیوست ہو جائے۔
یہ مشغلہ میں نے شروع کیا۔ جو، مجھ پر حاوی ہو گیا۔
ان دنوں، مَیں شرحِ عقائد اور حاشیۂ خیالی پڑھتا تھا۔
میں نے ارادہ کیا کہ حاشیۂ مُلّاً عبدالحکیم لکھوں۔
جب لکھنے لگا، تو کم وبیش ایک کاپی کے بقدر، اسمِ ذات (اللہ) لکھتا رہا۔
مگر، مجھے کوئی احساس وشعور، نہ رہا۔''

(بَوارِقُ الوِلایۃ۔ مشمولہ: **اَنفاسُ العارفین**۔ مؤلّفہ: شاہ ولی اللہ، محدّث دہلوی)
بارہ تیرہ سال کی عمر میں، حضرت شیخ عبدالرحیم کو
زیارتِ حضرت زکریا **عَلَیْہِ السَّلام** کی سعادت، نصیب ہوئی۔
اور آپ سے، اسمِ ذات (اللہ) کے ذِکر کی تلقین کی نعمت پانے کے بعد کے
حالاتِ شاہ عبدالرَّحیم، بیان کرتے ہوئے، شاہ ولی اللہ، محدّث دہلوی، رقم طراز ہیں:
''اس کے بعد، میں ظہورِ تعبیر کا منتظر رہا اور اکثر درود شریف پڑھنے میں مشغول رہتا تھا۔
ایک رات، درود شریف پڑھ رہا تھا کہ ایک نورانی شبیہ، چاند کی شکل میں ظاہر ہوئی۔
حالاں کہ اس رات، چاند، نمودار نہیں تھا۔
اور آہستہ آہستہ پوری زمین پر (نورانی شبیہ) پھیلنا، شروع ہوئی۔
اس کے بعد، وہ میرے سر اور جسم پر، وارِد ہوئی۔
جب تک، وہ نورانی شبیہ، میرے سر سے
قدرے، پرے تھی، تو میں ذوق وشوق سے سَرمست ہو رہا تھا۔ اور جب عین سر پر آئی
تو میں بے ہوش ہو گیا اور نظر بہ ظاہر، میرا وجود، غائب ہو گیا۔ **وَاللّٰہُ تَعَالیٰ اَعْلَم**۔
میرے والد (شاہ وجیہُ الدین، شہید) نے مجھے، بہت ڈھونڈا، مگر نہ پایا۔
جس کے سبب، ان کے اوپر، اضطراب اور پریشانی چھا گئی۔
اس غیاب اور گم شدگی کی حالت میں، مَیں نے آسمان پر آسمان، طے کرنا، شروع کیا۔
یہاں تک کہ ان سب کو، پار کر گیا۔
حتیٰ کہ بارگاہِ سیدُ الانام **عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلام** میں جا پہنچا۔
جہاں، آپ نے مجھے اپنی بیعت میں قبول فرما کر، نفی واِثبات کی تلقین فرمائی۔
تھوڑی دیر میں، مجھے اِفاقہ ہوا، اور میں، اپنی پہلی حالت میں آگیا۔''
(بَوارِقُ الولایۃ۔ مشمولہ: انفاس العارفین)
اپنی اصلاح وتربیت کے لئے شاہ عبدالرَّحیم نے حضرت خواجہ خورد
(فرزندِ خواجہ محمد عبدالباقی، باقی بِاللہ، نقشبندی، دہلوی) سے عرض کی، تو وہ فرمانے لگے:
اگر، شیخ آدم بَنُّورِی **قُدِّسَ سِرُّہٗ** کے خُلَفا میں سے کوئی مل جائے، تو زیادہ مناسب رہے گا۔
کیوں کہ یہ لوگ، اِتّباعِ سُنّت وشریعت، ترکِ دنیا، اور تہذیبِ نفس میں

ایسا کمال رکھتے ہیں جو، دوسروں کو میسر نہیں۔''
عرض کی: ہمارے پڑوس میں، ان کے خُلَفا میں سے، سید عبداللہ، قیام پذیر ہیں۔
فرمایا: غنیمت ہیں۔ جلدی، ان سے ربط پیدا کرنا چاہیے۔
میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ باوجود، اس کے کہ:
تنہائی، عُزلت نشینی، کم آمیزی، اُن پر، غالب تھی، پہلی ملاقات میں ہی بیعت میں قبول فرمالیا۔
بیعت کے بعد، مَیں، حضرت خواجہ خورد اور سید عبداللہ، دونوں کی
خدمت میں حاضر ہوتا اور فیضِ صحبت، حاصل کرتا رہا۔''
(بَوَادِرُ الولایۃ۔ مشمولہ: اَنفاسُ العارفین)

''حضرت والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) فرمایا کرتے تھے کہ:
اسمِ ذات (اللہ) کا شغل، جو میں نے حضرت زکریا عَلَیْہِ السَّلام سے حاصل کیا تھا
مجھ پر، غالب رہتا تھا۔
اور میں اس سے بہت ہی کیف وسُرور، حاصل کرتا تھا۔
اس کی بہ نسبت، شغلِ نفی واِثبات، نہیں کر سکتا تھا۔
اگر، کبھی کرتا، تو اس سے ذرا بھی لَذَّت محسوس نہ ہوتی۔
اور اس پر قادر، نہ ہونے کی وجہ سے، میں، ہمیشہ، شرمندہ رہتا تھا۔
حضرت سید عبداللہ قُدِّسَ سِرُّہ سے اس کوتاہی کا علاج، دریافت کیا۔
بارہا، توجہ فرمائی، مگر، عُقدہ، حَل نہ ہوا۔ فرمانے لگے کہ:
جو چیز، انبیاے کرام عَلَیْہِمُ السَّلام کے اَنفاسِ طیبہ کی توجہ کے سبب
اِستحکام، حاصل کرے، ہم، اس میں، تبدیلی نہیں لا سکتے۔
حضرت ختمی مرتبت عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلام کی طرف، توجہ اور رُجوع کیجیے۔
اس نقص وخامی کا علاج، ان کی بارگاہ سے ہوگا۔
چنانچہ، میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے اس بارے میں اِلتجا کی۔
جس کے نتیجے میں شغلِ نفی واثبات مجھ پر غالب آیا۔ اور بہت ہی آسان ہوگیا۔
اس انداز پر کہ میں، کم سنی کے باوجود، ایک ہی سانس میں، دوسو (۲۰۰) مرتبہ، یہ ذِکر، کر سکتا تھا۔
میں نے کسی دوسرے طالبِ حق میں اس ذِکر کے لئے ایسا جَذب وکشِش، نہیں دیکھا۔

باوجود، اس بات کے کہ میں تحصیلِ علم میں مشغول تھا اور دوسرے موانع بھی حائل تھے۔
مجھے نفی واِثبات میں سرور، حاصل ہونے لگا۔'' **(بَوَادِرُ الولایۃ۔ مشمولہ: اَنفاس العارفین)**

حضرت والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) فرمایا کرتے تھے کہ:
حضرت سید عبداللہ، اصل میں قصبہ کھیڑی کے رہنے والے تھے، جو، بارہہ کے رہنے والے تھے، ان کے والد نے کھیڑی کو اپنا وطن بنالیا تھا۔ کم سنی ہی میں ان کے والدین، فوت ہوگئے تھے۔
اور ان کے دل میں اسی وقت، خدا طلبی کا جذبہ پیدا ہوگیا تھا۔
جگہ جگہ، اولیاے کرام کو تلاش کرتے رہے۔
یہاں تک کہ پنجاب کے ایک بزرگ کی خدمت میں پہنچے۔
جو علمِ قرأت میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ اور صحرائے پنجاب کی ایک مسجد میں اپنا وقت گذار رہے تھے۔ لوگوں کے میل جول اور آمدورفت سے بالکل فارغُ البال اور انتہائی مُتوکّل علی اللہ تھے۔
سید (عبداللہ) صاحب ان کی خدمت میں رہ کر راہِ حق، طلب کرنے لگے۔
ان بزرگ نے سید صاحب سے فرمایا کہ: تمہاری تلقین وہدایت ایک اور بزرگ سے وابستہ ہے۔
جہاں تم، اِنْ شَاءَ اللّٰہ ضرور پہنچوگے۔ البتہ، حفظِ قرآن کی نعمت، مجھ سے حاصل کیجیے۔
چنانچہ، سید صاحب اسی جنگل میں مدتوں ٹھہرے رہے اور قرآن، حفظ کیا۔
ان بزرگ کے فیضِ صحبت سے گوشہ نشینی اور تَرکِ دنیا کے آداب سیکھے۔
اور نفس وشیطان کی کج رویُّوں سے کنارہ کشی کے انداز، حاصل کیے۔
(**بَوَادِرُ الولایۃ۔ مشمولہ**: اَنفاسُ العارفین۔ مؤلَّفہ: شاہ ولی اللہ، محدِّث دہلوی)

''حضرت والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) نے فرمایا کہ:
ایک دن، وہ بزرگ اور حضرت سید (عبداللہ) صاحب
دونوں، قرآن مجید کا، دَور کر رہے تھے کہ کچھ عرب لوگ، سبز پوش، گروہ، درگروہ، ظاہر ہوئے۔
ان کا سردار، مسجد کے قریب کھڑا ہوکر، ان قاریوں کی تلاوت سننے لگا۔ اور کہا:
بارَکَ اللّٰہُ اَدَّیْتَ حَقَّ القُرآن ۔ (اللہ، برکت دے۔ تلاوتِ قرآن کا خوب حق ادا کیا)
یہ کہہ کر، وہ سردار، واپس پلٹے۔
ان بزرگ کی عادت تھی کہ تلاوتِ قرآن کے وقت
آنکھوں کو نیند کی سی حالت میں رکھتے تھے۔ اور کسی طرف بھی، توجہ نہیں کرتے تھے۔

جب، زیرِ تلاوت، سورت کو، آخر تک پہنچایا، تو سید عبداللہ سے پوچھا کہ:
یہ کون لوگ تھے؟ جن کی ہیبت سے میرا دل کانپ اُٹھا؟
مگر، عظمتِ قرآن کے سبب، مَیں اپنی جگہ سے اُٹھ نہ سکا۔''
سید صاحب نے کہا: قبلہ! یہ اس وضع کے لوگ تھے کہ جب ان کا سردار پہنچا
تو مجھ میں یہ طاقت، نہ رہی کہ میں اپنی جگہ بیٹھا رہوں۔ بِالآخر، اُٹھا اور ان کی تعظیم بجالایا۔
یہی باتیں ہورہی تھیں کہ اسی وضع قطع کا ایک آدمی اور آیا اور کہنے لگا کہ:
حضرت نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم، کل، مجمعِ اصحاب میں بیٹھے ہوئے
اِس جنگل کے رہنے والے حافظ کی تعریف وتوصیف فرمارہے تھے۔
اور ساتھ ہی فرمارہے تھے کہ:
کل، عَلَی الصَّباح، ہم، اسے دیکھنے جائیں گے اور اس کی قرأت بھی سنیں گے۔''
کیا، آپ تشریف لائے تھے کہ نہیں؟ اگر، آئے تھے، تو کدھر تشریف لے گئے؟
ان دونوں بزرگوں نے، جب یہ بات سنی، تو دائیں بائیں دوڑے۔ مگر، کوئی نشان نہ پایا۔
(اللہ، ان دونوں کی قبروں پر، رحمت کے پھول برسائے۔)
راقم الحروف (ولی اللہ، دہلوی) کا گمان ہے کہ:
حضرت والد نے یہ بھی فرمایا تھا کہ:
اس واقعہ کے بعد، مدتوں، اس جنگل سے خوشبو مہکتی رہی، جسے، لوگ سونگھتے اور محسوس کرتے تھے۔''
(**بَوَادِرُ الوِلَایۃ** ۔ مشمولہ: اَنفاس العارفین۔ مکتبہ الفلاح، دیوبند)
شاہ عبدالرحیم، دہلوی کے مُرشدِ طریقت، خواجہ سید عبداللہ (خلیفۂ سید آدم بَنّوری
خلیفۂ مجدّدِ الفِ ثانی، شیخ احمد، فاروقی، سرہندی) نے
صحرائے پنجاب کی مسجد کے خوش الحان قاری، جن کا ایمان افروز واقعہ ابھی گذرا
انھیں امام سے، سید عبداللہ نے حفظِ قرآن، مکمل کیا۔
تکمیلِ حفظ کے بعد، انھیں امام مسجد کی ہدایت کے مطابق
کسی صاحبِ ولایت کی تلاش کرتے ہوئے مزید حصولِ فیض کے لئے
سید عبداللہ، سامانہ (پنجاب) کے بزرگ، شیخ ادریس، سامانی، قادری کی خدمت میں پہنچے۔
شاہ ولی اللہ، محدّث دہلوی، ان کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ:

''یہ بزرگ (شیخ ادریس، سامانی، قادری) متوکّل تھے اور لوگوں سے مِلنا جُلنا، ترک کرکے
انتہائی مشکل حالات میں گزارہ کرلیتے تھے۔ یہ سلسلۂ قادریہ سے منسلک تھے۔'' (**بَوَادِرُ الوِلَایۃ**)
شاہ ولی اللہ، مزید تحریر فرماتے ہیں:
''حضرت والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) فرمایا کرتے تھے کہ:
ایک مرتبہ، حضرت خواجہ ادریس، سامانی، حُجرے میں، یادِ خدا میں مشغول تھے۔
ان کے اہلِ خانہ کی عادت تھی کہ:
ہر سال اسی حُجرے میں جانوروں کے لئے گھاس بھُوسہ، وغیرہ، ذخیرہ کیا کرتے تھے۔
اتفاق سے اسی گھڑی، اہلِ خانہ نے حجرے میں گھاس ڈالنا، شروع کیا۔
انھیں، حُجرے میں شیخ کی موجودگی کا علم نہ ہوسکا۔
شیخ بھی اپنی ہستی سے اس قدر بے خبر اور مَحو تھے کہ:
انھیں اپنے اوپر گھاس پڑنے کا احساس تک ہوا۔
چنانچہ، حُجرے کو گھاس سے بھر کر، دروازہ، بند کردیا گیا۔
کچھ دیر بعد شیخ کی پوچھ گچھ کی گئی۔ مسجد میں ڈھونڈا گیا، مگر، کہیں نہ مِلے۔
آنے جانے والوں سے پوچھا گیا۔ کچھ معلوم، نہ ہوا۔
مایوس ہوکر، تلاش وجستجو بھی چھوڑ دی۔
چھ ماہ بعد، جب، چارہ، باہر نکالنے کی ضرورت پڑی
تو حُجرے کا دروازہ کھُلا۔ اور گھاس، باہر نکالنے لگے۔
بِالآخر، ایک دن گھاس اٹھانے والے کا ہاتھ، شیخ پر جاپڑا
تو وہ، چونک اُٹھا کہ یہاں، تو کوئی آدمی ہے۔ جب اچھی طرح ٹٹولا، تو شیخ کو پہچان لیا۔
یہ سُن کر، لوگوں کا ہجوم ہوگیا۔ اور اس وقت، شیخ کو بھی حالتِ سُکر سے اِفاقہ ہوا۔
دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ:
نہ تو، انھیں، درازیِ مدت کا احساس رہا اور نہ ہی ان کے جسم وجان پر
کچھ نہ کھانے پینے سے کوئی اثر پڑا۔
یہ واقعہ، عجیب وغریب واقعات سے ہے۔ **وَاللّٰہُ تَعالیٰ اَعْلَم**۔
سننے میں آیا ہے کہ جب شیخ بزرگوار، شیخ احمد، فاروقی، سرہندی کے

ارشادات وکمالات، عام ہوئے، تو شیخ ادریس، سامانی نے، ان کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ:
اگر، میں، زمین کی طرف دیکھتا ہوں، تو زمین کو نہیں پاتا۔
اور اگر، آسمان کی طرف، نگاہ اٹھاتا ہوں، تو آسمان کو، معدوم پاتا ہوں۔
اور اسی طرح، عرش وکرسی اور بہشت ودوزخ کو بھی، موجود نہیں پاتا۔
اور جب کسی کے سامنے جاتا ہوں، تو اس کا وجود بھی نہیں پاتا۔
یہاں تک کہ اپنے وجود کو بھی، غیر موجود پاتا ہوں۔
اور، وجودِ حق **سُبْحٰنَہٗ تَعَالٰی**، تو بے پایاں ہے۔ جس کی انتہا کو، کوئی نہ پاسکا۔
تمام مشائخ بھی یہی نکتہ کہہ کر رہ گئے ہیں اور اس مقام سے آگے، کوئی نہیں جاسکا۔
اگر، آپ بھی اسی اِنتہا کو اپنا کمال سمجھتے ہیں، تو کوئی مضایقہ نہیں۔
اور اگر، کوئی دوسری بات، اس کمال سے وَرے، معلوم ہوتی ہے
تو اس سے ہمیں بھی مطلع کیجیے۔ تاکہ ہم اور ہمارے ایک ایسے دوست
جو، اس مقام تک پہنچنے کی بہت خواہش رکھتے ہیں، وہاں تک پہنچ سکیں۔''
حضرت شیخ احمد، سرہندی نے جواب میں لکھا:
''میرے مخدوم! یہ اور اس قبیل کے دوسرے حالات ''تَلَوُّنِ قلب'' کا نتیجہ ہیں۔''
مشاہدہ بتاتا ہے کہ:
ان حالات کا حامل، مقاماتِ قلب میں سے ایک چوتھائی سے زیادہ، طے نہیں کرسکا ہے۔
ابھی اسے تین حصے، طے کرنے چاہئیں، تاکہ معاملۂ قلب کو بتمام وکمال، طے کرکے، سمجھ سکے۔
''**مقامِ قلب**'' سے گذرنے کے بعد ''**مقامِ روح**'' آتا ہے۔
مقامِ روح سے آگے بڑھیے، تو ''**مقامِ سِر**'' کا دروازہ کھلتا ہے۔
اور ''**مقامِ سِر**'' کو، طے کیجیے، تو ''**مقامِ خفی**'' تک، رسائی ہوتی ہے۔
تب جاکر، کہیں ''**مقامِ اَخفیٰ**'' کے اَسرار ورُموز کھُلتے ہیں۔
ان چاروں حصوں کے علاوہ، قلب پر کچھ اور اثرات بھی، مُرتسم ہوتے ہیں۔
جن کے اَحوال وکیفیات، جُدا جُدا ہیں۔'' اِلیٰ آخرِ الْمَکتوب۔
یہ خط پڑھ کر، شیخ ادریس سامانی نے حضرت شیخ احمد سرہندی کی خدمت میں
حاضری دینے اور ان کی عزیمتِ صحبت سے فیض، حاصل کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا تھا

مگر، بعض موانع کے سبب، ان کی یہ تمنا، پوری نہ ہوسکی۔
یہاں تک کہ شیخ احمد، سرہندی کے ایامِ رُشد وہدایت پورے ہوگئے۔
کچھ بعید نہیں کہ یارِ دیگر سے مُراد، سید عبداللہ ہوں۔
فقیر (ولی اللہ، دہلوی) کا خیال ہے کہ حضرت والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی)
یہ قصہ، شیخ آدم بَنُّوری کے سلسلے میں، بیان کیا کرتے تھے۔''
(**بَوَارِقُ الوِلایۃ**۔ مشمولہ: اَنفاسُ العارفین۔ مؤلّفہ: شاہ ولی اللہ، محدّث دہلوی)
''حضرت والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) فرمایا کرتے تھے کہ:
سید عبداللہ نے فرمایا کہ آغازِ کار میں جب میں، شیخ آدم، بنّوری کی خدمت میں پہنچا
میرا قلب، نسبتِ روحانی سے بالکل خالی ہوگیا۔ اور جمعیتِ خاطر میں فتور، ظاہر ہونے لگا۔
میں پریشان ہوا اور حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کی۔
فرمایا: پہلی نسبت، سرکہ کا حکم رکھتی ہے۔
اور جو جمعیتِ قلب ہماری صحبت میں پاؤ گے، اس کی مثال، گلاب کی سی ہے۔
اور قاعدہ، یہ ہے کہ اگر، بوتل میں، یہ سرکہ ہو اور اسی میں گلاب ڈالنے کا ارادہ کیا جائے
تو، سب سے پہلے، بوتل کو خوب دھوکر صاف کیا جاتا ہے۔ تاکہ سرکہ کا ذرّہ برابر بھی اثر
باقی نہ رہے۔ تب وہ بوتل، گلاب کے قابل بنتی ہے۔''
حضرت والد صاحب، شیخ آدم بنوری کی اولاد میں سے کسی بزرگ سے نقل فرماتے تھے کہ:
سید عبداللہ، صحبتِ شیخ آدم بَنُّوری کے دَوران، ایک دن کسی درخت کے نیچے
پورے اطمینان کے ساتھ، آنکھیں بند کیے ہوئے تلاوتِ قرآن میں مشغول تھے۔
اسی اثنا میں بہت سی چڑیاں، درخت سے گر کر مرتی رہیں۔
اور لوگ، جو ماوراءُالنّھر سے حضرت شیخ کی بیعت کے لئے آئے ہوئے تھے
ذوقِ سماع سے، وجد میں آگئے۔
کسی نے حضرت شیخ آدم بَنُّوری کو، اس صورتِ حال سے مطّلع کیا۔
آپ تشریف لائے اور فرمایا کہ: حافظ! اب بس کرو۔''
حافظ نے آنکھ کھولی۔ انکساری کے ساتھ کھڑے ہوگئے اور چُپ سادھ لی۔
حضرت والدِ گرامی فرماتے تھے کہ:

سیدعبداللہ، جب بھی قرآنِ حکیم پڑھتے، مسجد میں کوئی شخص، ایسا نہ ہوتا
جو، اُن کی قرأت، سُن کر ذوقِ سماع سے، سَر نہ دُھن رہا ہو۔" الخ۔ **(بَوَارِقُ الولایۃ)**

"والد ماجد نے فرمایا کہ سیدعبداللہ فرماتے تھے:
جن دنوں، شیخ آدم بَنُّوری قُدِّسَ سِرُّہٗ نے حجِ بیت اللہ کا عزمِ مُصمَّم کیا، میں نے بھی
ان کے ساتھ جانے کا اِرادہ کرلیا۔ انھوں نے مجھے جانے سے روک دیا۔ اور روانہ ہونے لگے۔
میں نے عرض کی کہ: اہل وعیال والے تو، ہمراہی سے مشرَّف ہو رہے ہیں۔
فقیر، جو غیر شادی شدہ ہے اور کسی کے نان نفقہ کا متحمل بھی نہیں، اسے کیوں محروم کیا جا رہا ہے؟
فرمانے لگے کہ: تمہارا ٹھہرنا، حکمت پر مبنی ہے۔ جو، تمہیں بعد میں معلوم ہو جائے گی۔"
اب معلوم ہوا کہ وہ حکمت، تمھاری تربیت سے عُہدہ برآمد ہونا تھا۔

حضرت والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) فرمایا کرتے تھے کہ سیدعبداللہ سنایا کرتے تھے:
جب، تم (عبدالرحیم) بچپن میں بچوں کے ساتھ کھیلا کرتے تھے
تو، ہم اپنے دل میں تمھارے لئے کشش، محسوس کرتے تھے۔ اور، دُعا کیا کرتے تھے کہ:

بارِ اِلٰہا! اس بچے کو، زُمرۂ اولیا میں شریک کر۔
اور اس کے کمالات میرے ہاتھوں، پایۂ تکمیل کو پہنچا۔
اَلحَمدُ لِلّٰہ کہ میری دعاؤں کا اثر، ظہور پذیر ہوا۔"

(بَوَارِقُ الولایۃ۔ مشمولہ: اَنفاس العارفین)

حضرت والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) نے حضرت شیخ آدم بَنُّوری کے رُفقا سے نقل کیا
کہ:
جب، شیخ آدم بَنُّوری کی شہرت، عام ہوگئی
تو، اُن کی دھوم، شہنشاہِ ہند، شاہجہاں تک بھی جا پہنچی۔ شاہجہاں نے اپنے وزیر، سعدُ اللہ خاں
اور مُلّاَ عبدالحکیم، سیالکوٹی کو بھیجا، تا کہ شیخ سے مل کر حقیقتِ حال کا پتہ کریں۔
یہ دونوں، حضرت شیخ آدم بَنُّوری کی خدمت میں پہنچے۔
شیخ، اُس وقت، مُراقبے میں تھے۔ یہ دونوں، کافی دیر، دروازے پر بیٹھے رہے۔
جب، شیخ آدم بَنُّوری، حالتِ مُراقبہ سے باہر نکلے
تو، دونوں، ان کے حُجرے میں داخل ہوئے۔ شیخ، ان کی تعظیم، بجانہ لائے۔

یہ دیکھ کر، سعداللہ خاں اور مُلّاَ عبدالحکیم، سیالکوٹی کا مزاج بگڑ گیا۔
سعداللہ خاں نے کہا:
میں تو، اہلِ دنیا ہوں۔ مشائخ کے نزدیک، مستحقِ تعظیم نہیں۔
مگر، مولانا عبدالحکیم، سیالکوٹی، تو عالمِ دین ہیں۔ ان کی تعظیم، ضروری ہے۔"
شیخ آدم، بَنُّوری نے فرمایا: حدیث شریف میں آتا ہے:

اَلْعُلَمَاءُ اُمَنَاءُ الدِّینِ مَالَمْ یُخالِطُوا الْمُلُوکَ فَاِذا خَالَطُوْا هُمْ فَهُمُ اللُّصُوْصُ۔

(عُلما، دین کے محافظ ہوتے ہیں، جب تک کہ بادشاہوں سے، اِختلاط نہ کریں۔
جب، بادشاہوں کی رفاقت ومخالطت، شروع کر دیں، تو وہ، دین کے چور، ڈاکو ہیں)
پھر، ان دونوں نے پوچھا: آپ کا نَسَب کیا ہے؟
فرمایا: سید ہوں۔ مگر، چوں کہ ہماری مائیں، افغان قبائل سے تعلق رکھتی ہیں
اس لئے عوام کی زبان پر، ہم، افغان، مشہور ہوگئے۔"
پھر، پوچھا۔ ہم نے سنا ہے کہ آپ، علمِ لدُنی رکھتے ہیں؟
فرمایا: ہاں! اور اس نعمت پر، اللہ کی حمد وثنا کرتا ہوں۔"
یہ سن کر، دونوں، اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور شاہجہاں سے جا کر کہا کہ:
یہ ایک عامی اور متکبر فقیر ہے، جو لمبے چوڑے دعوے کرتا ہے۔
اصل میں افغان ہے، مگر، سید کہلاتا ہے۔ باوجود، اس کے، پٹھان اس کے بےحد معتقد ہیں۔
لِہٰذا، اسے چھیڑنے سے خوف ہے کہ کہیں فتنہ، نہ کھڑا ہو جائے۔
یہ سن کر شاہجہاں بگڑ گیا۔ قاصد کے ذریعہ، شیخ کو کہلا بھیجا کہ: آپ، حج کو چلے جائیں۔"
شیخ آدم، بَنُّوری، انتہائی عجلت میں عازمِ مکۂ مکرَّمہ ہوئے۔
جب، سُورت (گجرات) پہنچے، تو معلوم ہوا کہ حاکمِ سُورت، آپ کا اِرادت مند ہے۔
شیخ آدم نے اس سے فرمایا کہ:
تمھارے ذِمّہ، یہ خدمت ہے کہ ہمیں، جلد تر، جہاز میں سوار کر دو۔"
جب، سوار ہوگئے، تو شاہجہاں بادشاہ کا حکم پہنچا کہ:
اس فقیر کو جلد لوٹائیے۔ کیوں کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ:
اس درویش کا باہر جانا، میرے ملک کے لئے زوال کا باعث ہوگا۔"

حاکمِ سورت نے معذرت لکھی کہ:
شاہی حکم پہنچنے سے پہلے، حضرت شیخ، جہاز پر سوار ہوگئے۔"
بہت ہی جلد، بادشاہ، قید ہوا۔
ادھر حضرت شیخ آدم، بنّوری کی وفات، مدینہ منورہ میں واقع ہوئی۔
اور جنّتُ البقیع میں قُبّہ حضرت عثمان کے قریب، مدفون ہوئے۔
اللہ، ان کی قبر پر، رحمتوں کے پھول برسائے۔ آمین۔
والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) فرمایا کرتے تھے کہ:
طالب نامی ایک درویش، حضرت سید عبداللہ قُدِّسَ سِرُّہٗ کی خدمت میں رہتا تھا۔
وہ، ہمیشہ، روتا اور ہائے ہائے کا نعرہ لگاتا رہتا تھا۔
حضرت سید عبداللہ نے اس سے ہمیشہ روتے رہنے کا سبب پوچھا
تو میری طرف، اشارہ کرتے ہوئے اس نے کہا کہ:
یہ عزیز، حصولِ علم میں مشغول رہتا ہے اور میں فارغُ البال اور یک سُو ہوں۔
مگر، پھر بھی، اس پر، مجھ سے زیادہ روحانی عُقدے اور مخفی اَسرار، آشکارا ہوتے جا رہے ہیں۔"
فرمانے لگے: اس فکر و اندیشے میں مت پڑو۔ یہ عطائے الٰہی ہے۔
ہر ایک کو، الگ الگ حوصلہ و ہمت، تفویض ہوئی ہے۔"
مگر، پھر بھی، وہ روتا رہا۔ حضرت سید نے فرمایا:
تیری اصلاح، یوں ہوسکتی ہے کہ تو سفر میں رہا کر۔"
چنانچہ، اس نے دائمی سفر، اختیار کیا۔ کبھی کبھی، مجھے دیکھنے کے لئے آجایا کرتا تھا۔"
اور کہا کرتا تھا کہ حضرت سید صاحب کے منہ سے جو بات نکل گئی، اُس کا یہ اثر ہے کہ:
سفر میں مجھے، ہمیشہ، جمعیتِ خاطر اور انبساط، حاصل رہتا ہے۔
لیکن، ایک جگہ، قیام میں تنگی و غمگینی۔" الخ۔
(**بَوَادِرُ الوِلایة**۔ مشمولہ: اَنفاسُ العارفین۔ مؤلّفہ: شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی)
"والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) فرمایا کرتے تھے کہ:
جن دنوں، اورنگ زیب عالمگیر، اکبرآباد میں تھا، مَیں میرزا زاہد ہَروِی، محتسبِ لشکر
سے کچھ اسباق پڑھتا تھا۔ اسی تقریب کے بہانے، مَیں اپنے والد کے ہمراہ، اکبرآباد گیا۔

سید عبداللہ بھی، سید عبدالرحمٰن کی رفاقت کے سبب، وہیں، موجود تھے۔
انھیں ایک عارضہ ہوگیا اور رحمتِ حق سے، واصل ہوگئے۔
سید عبداللہ نے وصیت کی تھی کہ مجھے مسکینوں کے قبرستان میں دفن کرنا، تاکہ کوئی پہچان نہ سکے۔
چنانچہ، لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ میں بھی اس دن، شدید بیمار تھا۔
جنازے کے ساتھ جانے کی سَکَت نہیں تھی۔
جب میں تندرست ہوا اور چلنے پھرنے کی طاقت پیدا ہوئی
تو ایک ایسے ساتھی کے ساتھ، جو، اُن کے جنازہ و دفن میں موجود تھا
زیارت و برکت کے لئے ان کے مزارِ مبارک کی طرف چل پڑا۔
ان کی آخری وصیت کا کمال تھا کہ:
میرے ساتھی، کافی غور و فکر کے باوجود، ان کی قبر، پہچان نہ سکے۔
آخر، اندازے سے ایک قبر کی طرف اشارہ کیا۔ میں، وہاں بیٹھ کر قرآن پڑھنے لگا۔
میری پُشت کی طرف سے، سید صاحب نے آواز دی کہ:
فقیر کی قبر، اِدھر ہے۔ لیکن، جو کچھ شروع کر چکے ہو، اُسے، وہاں ہی تمام کرلو اور اس کا ثواب
اسی قبر والے کو بخشو۔ جلدی، مَت کرو۔ جو کچھ پڑھ رہے ہو، اُسے انجام تک پہنچاؤ۔"
یہ سن کر، میں نے ساتھی سے کہا:
اچھی طرح غور کرو۔ سید صاحب کی قبر، وہی ہے، جدھر تم نے اشارہ کیا۔ یا میری پیٹھ کے پیچھے ہے؟
تھوڑی دیر، سوچ کر کہنے لگا: میں، غلطی پر تھا۔ سید صاحب کی قبر تمہارے پیچھے ہے۔
میں اسی سَمت ہو کر بیٹھا اور قرآن شریف پڑھنا، شروع کیا۔
اسی اَثنا میں، دل گرفتہ اور غمگین ہونے کے سبب، اکثر مقامات پر قواعدِ قرآن کی رعایت نہ کرسکا۔
قبر میں سے آواز آئی کہ:
"فلاں فلاں جگہ پر تساہُل سے کام لیا ہے۔ قرأت کے معاملے میں، حزم و احتیاط کی ضرورت ہے۔"
"والد ماجد، شاہ عبدالرحیم (دہلوی) فرمایا کرتے تھے کہ:
رسائلِ صِغار (شرحِ عقائد سے پہلے کے رسائل) سے لے کر
شرحِ عقائد و حاشیۂ خیالی تک، جُملہ کُتبِ متداولہ
میں نے، مخدومی، اَخی، ابوالرّضا محمد سے پڑھیں۔ اور دوسری کتب، میرزا زاہد، ہَروِی سے۔

ایک دن، شرحِ عقائد وحاشیۂ خیالی کے درس کے دوران، میرے دل سے ایک اعتراض اُٹھا۔
مخدومی، اَخی، ابوالرّضا محمد، جواب میں گویا ہوئے۔
اس مباحثہ نے طول پکڑا اور معاملہ، رنج وغصے تک جا پہنچا۔ میں نے کتاب پڑھنا، چھوڑ دی۔
کچھ عرصہ بعد، ایک دن، ہم دونوں
خواجہ خورد (فرزندِ خواجہ محمد عبدالباقی، باقی باللہ، نقشبندی دہلوی) کی خدمت میں پہنچے۔
آپ نے مجھ سے پوچھا کہ: خیالی کو کہاں تک پہنچایا ہے؟
عرض کی کہ: عرصہ ہوا، ترک کر دی ہے۔
فرمایا: کیا سبب ہوا؟
عرض کی کہ: نماز روزے کے ضروری احکام، معلوم ہو چکے ہیں۔
اس سے زیادہ، کچھ میسر نہیں ہو سکتا۔
مگر، آپ نے حقیقت، معلوم کرنے میں مبالغہ سے کام لیا۔ بِالآخر، حقیقت، ظاہر ہوگئی۔
تاکید سے فرمانے لگے: مجھ سے پڑھ لیا کرو۔
صبح سویرے کتاب لے کر، خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے درس دینا، شروع کیا۔
اور میرے سابقہ اعتراض کو بہت پسند کیا اور قوتِ اِستدلال کو، سَراہا۔
دوسرے اور تیسرے دن بھی، یوں ہی سلسلہ چلتا رہا۔ چوتھے دن فرمایا کہ:
تمھارے جدِّ بزرگوار، شیخ رفیع الدین محمد نے بھی
مجھے تین دن سے زیادہ، سبق نہیں پڑھایا تھا
اس لئے میں بھی، تین اسباق سے زیادہ، نہیں پڑھاؤں گا۔'' الخ۔
(**بوادِرُ الولایۃ**۔ مشمولہ: انفاسُ العارفین۔ مؤلّفہ: شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی۔ مکتبۃ الفلاح، دیوبند)
حضرت والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) نے فرمایا:
ایک دن، خواجہ خورد اپنے اَصحاب واَحباب میں بیٹھے ہوئے تھے۔
خود، پلنگ پر تشریف فرما تھے۔
اور باقی لوگ، چٹائی پر بیٹھے تھے۔ اس موقع پر، میں بھی خدمت میں جا پہنچا۔
آپ نے میری، حد سے زیادہ، تعظیم وتکریم فرمائی۔ خود، پلنگ کے پائنتی کو، ہو بیٹھے۔
اور مجھے صدر نشین بنایا۔ ہر چند، میں نے معذرت چاہی، مگر، نہ مانے۔

اس معاملے میں، اہلِ مجلس کے چہرے، متغیر ہوگئے۔
ان کے فرزند، خواجہ رحمت اللہ کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ:
مجلس میں، ان سے بھی زیادہ مُعمَّر اور لائقِ تعظیم لوگ بیٹھے ہیں۔
آخر، ان میں کیا خصوصیت ہے، جو آپ اس قدر اِنکساری سے پیش آ رہے ہیں؟
حضرت خواجہ خورد نے فرمایا:
میں، یہ اس لئے کر رہا ہوں کہ تم سلوک کا مشاہدہ کر سکو اور میری طرح، ان سے پیش آتے رہو۔
جب میں، ان کے جدِّ مادری، حضرت شیخ رفیع الدین محمد کے دولت خانے پر
حاضری دیتا تھا تو، وہ، میرے ساتھ، اسی طرح، سلوک فرماتے تھے۔
حالاں کہ وہ میرے استاذ تھے۔ اور میں نے ان سے فیوض، حاصل کیے تھے۔
جب، شیخ رفیع الدین محمد، ہمارے پیشوا، خواجہ محمد باقی قُدِّس سِرُّہٗ کی خدمت میں
آتے تھے، تو وہ بھی، ان کے ساتھ، قریب قریب یہی سلوک کرتے تھے۔
اگرچہ، شیخ رفیع الدین محمد، حضرت خواجہ کے خُلَفا میں سے تھے۔
مگر، چوں کہ ابتدائے سلوک میں، حضرت شیخ قطبُ العالم کی خدمت میں رہ کر
کچھ کتابیں پڑھی تھیں اور فوائدِ علمی، حاصل کیے تھے
لِہٰذا، ہمیں بھی، یہی سلوک، رَوا رکھنا چاہیے۔'' (**بوادِرُ الولایۃ۔ مشمولہ: انفاسُ العارفین**)
خواجہ خورد نے ایک روز، شاہ عبدالرحیم، دہلوی سے اپنا ایک واقعہ، بیان کیا کہ:
شاہ رفیع الدین محمد نے ایک مرتبہ، میرا ہاتھ پکڑا، اور مسجد فیروز شاہ لے آئے۔
اور ایک متعین مقام پر لے جا کر فرمانے لگے:
تمھیں، تصوف کی ہر مشکل کتاب کا مطالعہ، اس جگہ، بیٹھ کر، کرنا چاہیے۔
اگر، پھر بھی مسئلہ حل نہ ہو، تو میرا ذِمّہ رہا۔
اس دن کے بعد، جب بھی کوئی مشکل مسئلہ، پیش آتا
تو، میں وہاں جا کر مطالعہ کرتا اور وہ حل ہو جاتا۔
اگر ایک بالشت بھی اس جگہ سے اِدھر اُدھر ہوتا
تو، دوسرے مقامات کی طرح، وہاں بھی کوئی خاص فیض، حاصل نہ ہوتا۔
جب، خواجہ خورد، یہ واقعہ، بیان کر چکے تو، میں (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) نے عرض کی:

تین اَسباق پر، اِکتفا کرنا بھی، شاید اسی کرامت سے مقیَّد تھا۔
آپ بھی اگر ایسا ہی تصرُّف فرمائیں تو، کیا ہی بہتر ہو۔
فرمانے لگے: یہی تو، عرض کر رہا ہوں۔ اگر تمھیں بھی کوئی بھی مشکل، پیش آئے
اور اسے حل نہ کر سکو، تو مجھے بتاؤ کہ فلاں نالائق نے میرا راستہ، روک رکھا ہے۔
والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) فرماتے تھے کہ:
اس کے بعد، مجھے کوئی ایسا مشکل مسئلہ، پیش نہیں آیا، جسے حل نہ کر سکا ہوں۔
اگرچہ، میں نے مکمل درس اور تحصیلِ علوم، میرزا، زاہد سے کی
مگر، ان کے پاس پڑھنا بھی گویا، تحصیلِ حاصل تھا۔
اکثر، ایسا ہوتا تھا کہ میں اول سے پڑھ رہا ہوں اور آخر سے درس دے رہا ہوں۔''
(**بَوادِرُ الولایۃ**۔ مشمولہ: اَنفاسُ العارفین۔ مؤلّفہ: شاہ ولی اللہ، محدّث دہلوی)
حضرت والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) فرمایا کرتے تھے کہ:
محلّہ کوشک، نرور (دہلی) کے ایک آدمی نے حضرت خواجہ خورد کی خدمت میں
اِلتماس کیا کہ توجہ فرمائیے کہ حصولِ علم سے جلد فراغت، نصیب ہو۔
فرمایا: ہم، جواب دیں گے۔
جب گھر واپس ہوئے، تو ایک آدمی کے ہاتھ، اس کو رقعہ بھجوایا۔
جس میں لکھا کہ: کل، اِنْ شاءَ اللہ، تمام علوم سے فارغ ہو جاؤ گے۔''
یہ مژدہ سن کر، وہ متعجب ہوا۔ دوسری صبح، بغیر کسی ظاہری سبب کے
اس نے سوتے ہی میں جان، جاں آفریں کے سپرد کر دی۔''
(**بَوادِرُ الولایۃ**۔ مشمولہ: اَنفاسُ العارفین)
والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) فرمایا کرتے تھے کہ:
ایک بار، آغازِ جوانی میں حضرت خواجہ خورد، دعوتِ اَسماء کے شغل میں مشغول تھے کہ:
جِنّات نے مزاحمت کی۔ یہاں تک کہ خواجہ کے جسم میں حُلُول کر گئے۔
جس سے، خواجہ خورد، بے ہوش ہو کر مُردے کی طرح گر پڑے۔
خواجہ حُسام الدین (خلیفۂ خواجہ محمد باقی باللہ، نقشبندی، دہلوی) اتفاق سے وہاں پہنچے۔
کچھ دیر، ان پر توجہ ڈالی۔ خدا کے فضل سے اِفاقہ ہو گیا۔'' (**بَوادِرُ الولایۃ**)

''واضح ہو کہ حضرت والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) طریقۂ نقشبندیہ کی مختلف شاخوں
میں سے حضرت خواجہ محمد باقی باللہ کی شاخ کو، اس قدر پسند کرتے تھے اور اس کے ساتھ
ایسی رغبت رکھتے تھے کہ دوسری شاخوں میں سے کسی کے ساتھ، ایسی رغبت نہ تھی۔
آپ کی تمام تعلیم و تربیت اور ارشاد و ہدایت، اسی شعبے کے ذریعہ، تکمیل کو پہنچی ہے۔
شیخ تاجُ الدین، سنبھلی، جو، خواجہ محمد باقی باللہ کے اوَّلین خُلَفا میں سے ہیں
اور آخر عمر میں مکہ معظّمہ میں اقامت، اختیار کر کے، وہیں، مدفون ہوئے۔
آپ کی رفعتِ شان کا عالَم، یہ ہے کہ:
اس فقیر (ولی اللہ، دہلوی) نے آخری دَور کے مشائخِ ہند میں سے کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا
جس کے ساتھ، اہلِ مکہ، شیخ سنبھلی سے زیادہ، عقیدت رکھتے ہوں۔
اور شیخ تاج، سنبھلی سے زیادہ اس کی کرامات و کمالات، بیان کرتے ہوں۔
چنانچہ، شیخ تاج، سنبھلی نے سلسلۂ نقشبندیہ کی، اسی محبوب ترین شاخ
یعنی، سلسلۂ باقویہ کے اَشغال وعقائد کے بارے میں مستقل ایک رسالہ لکھا۔
جو، اِفراط وتفریط سے پاک اور واضح باتوں پر مشتمل ہے۔
حضرت والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) نے فارسی زبان میں اس کا ترجمہ بھی کیا ہے۔
جسے، جابجا، عبارات واقوالِ سَلف سے مزیَّن کیا گیا ہے۔
اس فقیر (ولی اللہ، دہلوی) نے حضرت والد کی خدمت میں، یہ دونوں رسالے
مطالعہ سے گذارے۔ اور اس پر اللہ کا شکر ہے۔'' (**بَوادِرُ الولایۃ**۔ مشمولہ: انفاسُ العارفین)
''حضرت خواجہ خورد، کبھی کبھی، حضرت خواجہ محمد باقی باللہ کا عُرس بھی کیا کرتے تھے۔
حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ:
ہم نے، بارہا، دیکھا کہ کوئی شخص، حضرت خواجہ خورد کے سامنے آ کر کہتا ہے کہ:
حضرت! چاول، میرے ذِمَّہ۔ دوسرا آ کر کہہ رہا ہے: حضور! گوشت، میرے ذِمَّہ'' الخ۔
(**بَوادِرُ الولایۃ**۔ مشمولہ: انفاسُ العارفین)
شاہ عبدالرحیم، محدِّث دہلوی اپنے مُرشدِ طریقت، سید عبداللہ، اکبر آبادی کے
وصال کے بعد، حضرت خلیفہ ابوالقاسم، اکبر آبادی سے طلبِ فیض کیا کرتے تھے۔
خلیفہ ابوالقاسم، اکبر آبادی کے بارے میں شاہ ولی اللہ، محدِّث دہلوی لکھتے ہیں:

واضح ہو کہ خلیفہ ابوالقاسم، مُلّا عمر کے داماد تھے۔ جنھوں نے شرحِ مُلّا پر، حاشیہ لکھا ہے۔
مُلّا عمر، حضرت میر ابوالعُلیٰ (بانیِ سلسلۂ ابوالعلائیہ) کی خدمت میں رہ چکے تھے۔
نیز، مُلّا ولی محمد کے شاگردِ رشید تھے، جو اپنے زمانہ کے اکابر میں سے تھے۔
اور حضرت میر ابوالعُلیٰ کے ممتاز خُلفا میں شمار ہوتے تھے۔
انھیں، حضرت میر ابوالعُلیٰ کے خُلَفا میں، وہی مقام، حاصل تھا
جو، شیخ نصیرالدین، چراغ دہلی کو، حضرت شیخ نظام الدین، دہلوی کے خُلَفا میں حاصل ہے۔
مُلّا ولی محمد بھی اکبرآباد میں، مدفون ہیں۔" **(بوارق الولایۃ۔ مشمولہ: انفاس العارفین)**
سلسلۂ چشتیہ، ابوالعلائیہ کے بارے میں شاہ ولی اللہ، محدّث دہلوی، تحریر فرماتے ہیں:
واضح رہے کہ حضرت میر ابوالعُلیٰ کا طریقۂ تصوف، شریعتِ نبوی کے اِتّباع اور طریقِ محمدی کی پیروی کے علاوہ، اور کچھ نہیں تھا۔ جادۂ طریقت پر انھوں نے کسی چیز کا بھی اِضافہ نہیں کیا اور جادۂ نبوی سے وہ، سرِ مُو بھی انحراف نہیں فرماتے تھے۔ نہ قول میں نہ ہی فعل میں۔
ان کے ابتدائی صحبت یافتگان، مثلاً: مُلّا ولی محمد، وغیرہ بھی اِس رَوِش پر کاربند تھے۔
ان کے بعد "بدنام کنِ مردِ نکو، چند" قسم کے کچھ ایسے لوگ آئے
جنھوں نے خواہشِ نفسانی کا اِتّباع کیا۔
........حالاں کہ حضرت امیر کی دستارِ مقدس، اس خس و خاشاک سے پاک تھی۔
اور ان کے طریقۂ عالیہ کا دامن، اس گندگی سے آلودہ نہیں تھا۔
مُلّا لطف اللہ، جامعِ مقاماتِ حضرت امیر نے اس بات کو زیادہ واضح طور پر بیان کیا۔
وہ لکھتے ہیں کہ:
"حضرت امیر کے حاضرینِ مجلس پر ہمیشہ بے اختیار وجد، طاری ہوتا تھا۔ یوں نہیں کہ کوئی ان کی محفل میں کوئی خلافِ شرع، اِرتکاب کرے۔ اور مزامیر و سرود کی آواز پر، رقص کرے۔
آپ، مزامیر کو بھی خواجۂ بزرگ (خواجہ معین الدین، چشتی) کے فرمان کہ:
"ما، ایں کار می کنیم، نہ انکار می کنیم" کے مطابق، کبھی کبھی، اتفاق سے سُن لیا کرتے تھے۔"
حضرت والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) فرمایا کرتے تھے کہ:
میں نے نورُ العُلیٰ، خلفُ الصّدق، میر ابوالعُلیٰ سے زیادہ حق گو، کسی کو نہیں دیکھا۔

میں نے ایک دن، ان سے پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ:
میر ابوالعُلیٰ، سماع کی طرف، حد سے زیادہ، راغب تھے؟
فرمانے لگے: مجھے یاد نہیں کہ سِوا، چند تقریبات کے، انھوں نے سماع میں حصہ لیا ہو۔
میں نے کہا، لوگ کہتے ہیں کہ:
میر ابوالعُلیٰ، جس شخص پر بھی نگاہ فرماتے تھے، یا۔ اسے، پان چبا کر دیتے تھے۔
وہ، بیہوش ہو جاتا تھا۔
فرمانے لگے: میں نے ان کا چبایا ہوا پان، کئی بار، استعمال کیا ہے۔ یہ کوئی کُلّیہ نہیں تھا۔
واضح ہو کہ حضرت والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) نے
میر سید ابوالعُلیٰ کی کافی صحبت اٹھائی اور ان سے کُلاہ و خرقہ بھی حاصل کیا تھا۔
حضرت والد ماجد، فرماتے تھے:
خلیفہ، ابوالقاسم کو بھی، میر ابوالعُلیٰ کی صحبت، نصیب ہوئی۔
لیکن، حصولِ فیض کا رابطۂ بیعت، مُلّا ولی محمد سے حاصل تھا۔
ایک دن، میر ابوالعُلیٰ نے حضرت خلیفہ ابوالقاسم سے فرمایا کہ:
تم، ہم سے بیعت کیوں نہیں کرتے؟
خلیفہ نے عرض کی کہ: ملّا ولی محمد کی بارگاہ بھی آپ کی بارگاہ کی مظہر ہے۔
اس عاجز نے جب علمِ ظاہری، ان سے حاصل کیا ہے اور حصولِ علم کے دَوران اُن سے بے حد محبت پیدا کی، تو رابطۂ بیعت بھی، ان کے ساتھ، بہتر سمجھا۔
حضرت، میر ابولعُلیٰ، یہ سن کر تبسم اور تحسین فرمانے لگے۔
حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ: خلیفہ ابوالقاسم پر، مشربِ گوشہ نشینی، غالب تھا۔
کسی سے تعلقات، نہیں رکھتے تھے۔ نیز، ان کا مشرب، توکّل اور ترکِ کاروبار تھا۔" الخ
(بوارق الولایۃ۔ مشمولہ: انفاس العارفین۔ مؤلّفہ: شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی۔ مکتبۃ الفلاح، دیوبند)
"حضرت والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) فرمایا کرتے تھے کہ:
شہنشاہ، اورنگ زیب عالم گیر کے زمانے میں حکمِ شاہی سے
جب "فتاویٰ عالم گیری" کا، کام، تدوین و ترتیب اور نظرِ ثانی کے مَراحل سے گذر رہا تھا تو کچھ تحریری کام، شیخ حامد کے بھی سپرد ہوا۔

جو، مرزا محمد زاہد، ہَرِوِی کے مدرسے میں ہمارے شریکِ درس تھے۔
یہ علمی خدمت ملنے پر، شیخ حامد میرے پاس آئے کہ:
تم بھی میرے ساتھ، اس کام میں تعاون کرو۔ تمھارے نام اتنا روزینہ، مقرّر رہو جائے گا۔
میں نے قبول نہ کیا۔ والدہ ماجدہ نے یہ قصہ سن کر، ناگواری کا اظہار کیا۔
اور مجھے اس کام پر آمادہ کرنے کے لئے بہت مبالغہ سے کام لیا۔
مجبور ہوکر، ایک مقررہ وظیفے پر، میں، اِس کام مشغول ہوگیا۔
حضرت خلیفہ ابوالقاسم، جب اس حقیقت سے مطلع ہوئے، تو فرمایا کہ:
یہ ملازمت، ترک کردو۔
عرض کی: والدہ ماجدہ، ناراض ہوتی ہیں۔
تو، فرمایا: **اِذَاجَاءَ حَقُّ اللّٰهِ ذَهَبَ حَقُّ الْعِبَادِ۔** (جب اللہ کا حق آجاتا ہے
تو بندوں کے حقوق، ساقط ہوجاتے ہیں) ایک سچی بات ہے۔
عرض کی: دعا فرمایئے کہ حق سُبْحٰنَهٗ وَتَعَالیٰ بغیر کوشش کے
یہ ملازمت، مجھ سے چھُڑادے، تاکہ والدہ کی ناراضگی سے بھی، بچ جاؤں۔''
آپ نے دعا فرمائی۔ چنانچہ، کچھ دنوں میں بادشاہ نے تدوینِ فتاویٰ کے
تمام ملازموں کی فہرست، طلب کی اور ازسرِنَو، تقرّری و برطرفی کے احکام، صادر کیے۔
جب میرے نام پر پہنچا تو، وظیفہ خواروں سے کاٹ کر لکھا کہ:
''اگر، چاہیں تو، اتنی زَرعی زمین، ان کو دی جائے۔''
اَہل کاروں نے مجھ سے پوچھا۔ میں نے قبول نہ کی۔ اور اس نجات پر شکر بجالایا۔ اور حمد وثنا پڑھی۔
والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) فرمایا کرتے تھے کہ:
ایک دن، فتاویٰ عالَم گیری کے مُفوَّضہ حصے پر، نظرِ ثانی کے دَوران
ایک ایسی عبارت پر، میری نظر پڑی، جس میں صورتِ مسئلہ کو، گڈمڈ کرکے گنجلک بنادیا گیا تھا۔
میں نے ان کتابوں کی طرف، رُجوع کیا، جو اس مسئلے کا ماخذ تھیں۔
مطالعہ سے معلوم ہوا کہ:
یہ مسئلہ، دو کتابوں میں مذکور ہے اور ہر کتاب میں مختلف انداز سے بیان ہوا ہے۔
مؤلّفِ فتاویٰ عالَم گیری نے دونوں عبارتوں کو، یک جا کردیا ہے۔

چنانچہ، اس وجہ سے صورتِ مسئلہ، کچھ سے کچھ ہوگئی ہے۔
میں نے اس مقام پر، ایک نوٹ میں لکھا کہ:
مَنْ لَمْ يَتفقَّه قَدْ خَلَطَ فِيْهِ۔ هٰذَا غلطٌ وَصَوَابُهٗ كذا۔
یعنی، جو دین کی سمجھ نہیں رکھتا، اس نے یہاں، گڑبڑ کردی ہے اور صحیح، یوں ہے۔''
اُن دِنوں، عالَم گیر کو، اس کتاب کی تدوین وترتیب میں حد سے زیادہ اِہتمام تھا۔
اور مُلاَّ نظام (ملاَّ نظام الدین، بُرہان پوری) روزانہ ایک دوصفحہ، بادشاہ کو پڑھ کر سناتے تھے۔
جب میرے اختلافی نوٹ پر پہنچے
تو، اتفاقاً، نوٹ کو مَتن کے ساتھ، مِلا کر، ایک ہی سانس میں پڑھ ڈالا۔
بادشاہ عالَم گیر، چونک اٹھا۔ اور کہا: یہ عبارت کیسی ہے؟
مُلاَّ نظام نے اس نشست میں دفعُ الوقتی کرتے ہوئے کہا:
اس مقام کا، میں نے مطالعہ نہیں کیا ہے۔ کل، تفصیل سے عرض کردوں گا۔
جب گھر لوٹے، تو مُلاَّ حامد پر بگڑے کہ:
فتاویٰ کا یہ حصہ میں نے تمھارے اعتماد پر چھوڑ رکھا تھا۔
تم نے مجھے، بادشاہ کے سامنے، شرمندہ کیا ہے۔
فرمایئے: یہ جُملہ کیا ہے؟
مُلاَّ حامد، اس وقت کچھ نہ بولے۔ بعد میں مجھ سے اظہارِ ملال کیا۔
اس پر، وہ کتابیں، جو، اس مسئلہ کا ماخذ تھیں، میں نے پیش کردیں۔
اور مسئلے کا اِبہام اور اس کا گنجلک پن، اس انداز سے واضح کردیا کہ:
سب کی آنکھیں کُھل گئیں۔'' الخ۔ **(بوادرُ الولایة۔ مشمولہ: انفاس العارفین)**
حضرت خلیفہ ابوالقاسم،، سفرِ حجاز میں عموماً، اپنے رُفقائے حجاز کو
واقعات وکراماتِ اولیا، سنایا کرتے تھے۔
چنانچہ، ایک دفعہ، اَولیا کے، پانی پر چلنے، اور دور دَراز مقامات کو آناً فاناً طے کرنے کی
بات چل پڑی، تو جہاز کے کپتان نے ان کرامات سے انکار کیا اور کہنے لگا کہ:
ایسے جھوٹ کے طومار، بہت سے سننے آتے ہیں، جن کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔''
یہ سن کر خلیفہ ابوالقاسم کی غیرتِ ایمانی جاگ اُٹھی اور سمندر میں چھلانگ لگادیا۔

یہ دیکھ کر، لوگوں نے کپتان کو ملامت کیا۔ اور وہ خود بھی، اس بات پر نادم ہوا کہ:
میرے جھگڑے کی وجہ سے یہ فقیر، ہلاک ہوا۔
اور رُفقائے خلیفہ بھی، تصورِ مَہجوری سے غمگین ہونے لگے۔
عین، اسی وقت، حضرت خلیفہ ابوالقاسم نے بلند آواز سے کہا کہ:
رنجیدہ، نہ ہوں۔ میں، خیر و عافیت سے پانی کی سطح پر، سَیر کر رہا ہوں۔''
یہ سن کر، تمام اہلِ جہاز اور کپتان نے آئندہ، درویشوں سے گستاخی کرنے سے
توبہ کی اور حلقۂ نیازمنداں میں شامل ہو گئے۔
ان کے رُجوع و توبہ کے بعد، حضرت خلیفہ ابوالقاسم، صحیح و سالم جہاز پر چڑھ آئے۔
حَرمین شریفین میں، ایک ایسا شخص، مُقیم تھا
جسے، حضرت غوثِ اعظم کی کلاہِ مبارک، تبرکاً، سلسلہ بہ سلسلہ اپنے آباواَجداد سے ملی ہوئی تھی۔
جس کی برکت سے وہ شخص، حَرمین شریفین کے نَواح میں
عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور شہرت کی بلندیوں پر فائز تھا۔
ایک رات، حضرت غوثِ اعظم کو (کشف میں) اپنے سامنے، موجود پایا۔
جو، فرما رہے تھے کہ: یہ کلاہ، ابوالقاسم، اکبرآبادی تک پہنچا دو۔''
حضرت غوثِ اعظم کا یہ فرمان، سُن کر، اس شخص کے دل میں آیا کہ:
اس بزرگ کی تخصیص، لازماً، کوئی سبب رکھتی ہے۔''
چنانچہ، امتحان کی غرض سے کلاہِ مبارک کے ساتھ، ایک جُبّہ بھی شامل کر لیا۔
اور پوچھ گچھ کرتے ہوئے حضرت خلیفہ ابوالقاسم کے خدمت میں جا پہنچا۔ اور ان سے کہا کہ:
یہ دونوں تبرک، حضرت غوثِ اعظم کے ہیں۔ اور انھوں نے مجھے خواب میں حکم دیا ہے کہ:
''یہ تبرکات، ابوالقاسم، اکبرآبادی کو دے دو۔''
یہ کہہ کر، تبرکات، ان کے سامنے رکھ دیے۔
خلیفہ ابوالقاسم نے تبرکات، قبول فرما کر، انتہائی مسرت کا اظہار کیا۔
اس شخص نے کہا: یہ تبرک، ایک بہت بڑے بزرگ کی طرف سے عطا ہوئے ہیں۔
لِہٰذا، اس کے شکریہ میں ایک بڑی دعوت کا انتظام کر کے، رؤسائے شہر کو، مدعو کیجیے۔
حضرت خلیفہ نے فرمایا:

کل، تشریف لائیے۔ ہم، کافی سارا طعام تیار کرائیں گے۔ آپ جس جس کو چاہیں، بلا لیجیے۔
دوسرے روز، علی الصباح، وہ درویش، رؤسائے شہر کے ساتھ آیا۔ دعوت تناول کی اور فاتحہ پڑھی۔
فراغت کے بعد لوگوں نے پوچھا:
آپ تو، متوکّل ہیں۔ سامان کچھ بھی نہیں رکھتے۔ اس قدر طعام، کہاں سے مہیّا فرمایا ہے؟
فرمایا کہ: اس قیمتی جُبّہ کو بیچ کر، ضروری اشیا، خریدی ہیں۔''
یہ سن کر، وہ شخص، چیخ اُٹھا کہ: میں نے تو اس فقیر کو، اہلُ اللہ سمجھا تھا
مگر، یہ تو مَکّار، ثابت ہوا۔ ایسے تبرکات کی قدر، اس نے نہیں پہچانی۔
آپ نے فرمایا: چُپ رہو۔ جو چیز، تبرک تھی، وہ میں نے محفوظ کر لی ہے۔
اور جو سامانِ امتحان تھا، اسے، میں نے بیچ کر، دعوتِ شکرانہ کا انتظام کر ڈالا۔
یہ سن کر، وہ شخص، متنبّہ ہو گیا اور اس نے خود ہی تمام اہلِ مجلس پر، ساری حقیقت کھول دی۔
سب نے، بیک زبان کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہ تبرک اپنے اصل مستحق کو پہنچ گیا۔''
(بوارق الولایۃ۔ مشمولہ: انفاسُ العارفین)
حضرت والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) فرمایا کرتے تھے کہ:
حضرت خلیفہ نے جب ارادہ کیا کہ مجھے، ارشاد و ہدایت میں اجازت بخشیں۔
تو اپنے ایک انتہائی مخلص کو حکم دیا کہ: طعام، تیار کرو۔
لوگوں کو دعوت پر بلایا اور فقیر کو بھی طلب کر کے دستار بندھائی۔
اور دستار کے پیچھے، شملہ بھی چھوڑ دیا۔
میں نے عرض کی کہ: میں نے اس مہتم بالشّان کام کی لیاقت نہیں رکھتا۔
اور ان حقوق کی ادائیگی نہیں کر سکتا۔
فرمانے لگے: تمھیں، دوسری جگہ سے بھی اجازت، حاصل ہے۔
سید عبداللہ کے ساتھ، تمھارا معاملہ کیسا تھا؟
عرض کی کہ: انھوں نے تمام حقوقِ اِرادت، مجھے عطا کر رکھے تھے۔
فرمانے لگے: ہم نے بھی تمام ظاہری و باطنی حقوق، معاف کر دیے ہیں۔'' الخ
حضرت والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) فرمایا کرتے تھے کہ:
حضرت خلیفہ کے مخلص مُریدوں میں سے ایک مردِ درویش

سیدعبدالرسول کی ایک صاحب زادی تھی۔اس کی شادی کے لئے جب پریشان ہوئے
توارادکیا کہ کچھ مالداروں سے مدد طلب کریں۔
حضرت خلیفہ کے پاس آئے اورعرض کیا کہ: میں، دہلی جارہاہوں۔
حضرت خلیفہ نے رخصت کرتے ہوئے فرمایا کہ:
سب سے پہلے، فلاں آدمی سے ملاقات کرنا۔ یہ کہہ کر، میرانام (عبدالرحیم) لیا۔
اس کے بعد، جہاں، جی چاہے، چلے جانا۔"
چنانچہ، وہ، سب سے پہلے، میرے پاس آئے۔ میں نے ملتے ہی کہا کہ:
حضرت خلیفہ کا اصل مقصد، آپ کو دولت مندوں کے دروازوں سے باز رکھنا تھا۔
مگر، جب آپ کو پریشان دیکھا تو نہ چاہا کہ اپنی زبان سے منع کریں۔
یہ سنتے ہی سیدصاحب، اصل مقصد تک پہنچ گئے۔
اوراغنیا کے دروازوں تک جانے کا خیال، ترک کردیا۔
جب یہ بات، حضرت خلیفہ تک پہنچی تو فرمایا:
واقعی، اس (عبدالرحیم، دہلوی) کے پاس بھیجنے سے میری غرض، یہ تھی۔
حضرت والد ماجد (شاہ عبدالرَّحیم، دہلوی) نے فرمایا کہ:
حضرت خلیفہ ابوالقاسم، مجھ سے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ:
شہرکے درویشوں کی زیارت کیا کرو۔"
لیکن، میں، پس وپیش کیا کرتا تھا۔ کیوں کہ اپنے دل میں کُلّی طور پر، بجز ان کے
کسی میں کشِش نہ پائی۔ایک روز، تاکید سے فرمایا اور جھجک دیکھی، تو خادم سے فرمایا:
انھیں، سیدعظمت اللہ کی خدمت میں لے جاؤ۔ (جو، مشائخِ چشتیہ میں سے ایک مشہور بزرگ
تھے) انھیں، میرا سلام کہنا اورعرض کرنا کہ: ایک درویش آپ کی ملاقات کے لئے بھیج رہاہوں۔
جب، ہم، ان کے محلّے میں پہنچے، تو خادم، ان کا مکان بھول گیا۔
اتفاق سے، وہاں کچھ بچے، کھیل رہے تھے۔ میری نگاہ ایک بچے پر پڑی، تو میں نے فوراً کہا کہ:
یہ بچہ، تو بزرگ زادہ معلوم ہوتا ہے۔اس سے پوچھ لیجیے۔
پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ، سیدعظمت اللہ کا لڑکا ہے۔
چنانچہ، وہ، ہمیں گھر لے گیا اور حضرت خلیفہ کا پیغام، سیدعظمت اللہ تک پہنچایا۔

انھوں نے کہلا بھیجا کہ: میں، بسترِ علالت پر پڑا ہوں۔ چلنے پھرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔
خاندان کی سب عورتیں، گھر میں جمع ہیں۔ پردہ بھی، نہیں ہوسکتا۔ مجھے، معاف رکھیے۔"
پھر، یکا یک ایک دوسرے آدمی کو بھیجا کہ حضرت خلیفہ کے درویشوں کو بٹھا دیجیے۔
اورخادموں سے اپنی چارپائی اُٹھوا کر، دروازے تک تشریف لائے اور فرمایا کہ:
میں معذور تھا، مگر، خیال آیا کہ حضرت خلیفہ کا بھیجنا، حکمت سے خالی نہ ہوگا۔"
پھر، مجھ (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) سے نام ونسب اور وطن کے بارے میں پوچھنے لگے
اورخوب جانچ پڑتال کرتے رہے۔
میں نے اپنے جدِّ بزرگوار (مادری) شیخ عبدالعزیز، شکربار کی نسبت کو مخفی رکھا۔
کیوں کہ مجھے معلوم تھا کہ:
سیدعظمت اللہ صاحب کا سلسلہ، حضرت شیخ عبدالعزیز، شکربار تک پہنچتا ہے۔
اوراس نسبت سے وہ، ایسی تکلیف کے وقت بھی
تواضع وخدمت سے باز نہ آئیں گے، جو، اُن کے لئے تکلیف دِہ ہوگی۔
مگر، انھوں نے فراست سے پہچان لیا اور ایک علمی اِشکال، پیش کرکے
مجھ سے جواب کے طالب ہوئے۔
میں نے عرض کی: میں، فائدہ، حاصل کرنے آیا ہوں، نہ کہ فائدہ پہنچانے۔
فرمانے لگے: ہم، یہ سوال پیش کرنے پر، مامور ہیں۔
بہرحال! اس وقت جو کچھ ظاہر اور منکشف ہُوا، مَیں نے بیان کردیا۔
جسے سن کر، ان کے چہرے پر تازگی اور مسرت پھیل گئی۔
فوراً چارپائی سے نیچے اتر آئے اور فرمایا: نادانی میں مجھ سے کوتاہی، سرزد ہوگئی۔"
دورانِ گفتگو فرمایا کہ:
شیخ عبدالعزیز، شکربار قُدِّسَ سِرُّہٗ نے، میرے دادا صاحب کو وصیت فرمائی تھی کہ:
اگر، میری اولاد میں سے کوئی آپ کے پاس آئے اور اس علمی اِشکال کا جواب
اس طرح، پیش کرے، تو میری امانت اس تک پہنچا دینا۔
اوروہ امانت، میرے تبرکات اوراجازتِ طریقہ پر مشتمل ہے۔
میرے جدِّ محترم، زندگی بھر، تلاش کرتے رہے۔ وہ، میرے والد کو وصیت فرما گئے۔

والدِ محترم بھی، تلاش وجستجو کے باوجود نہ پا سکے، تو نوبت مجھ تک پہنچی۔
میں بھی، عمر بھر تلاش کرتا رہا ہوں اور نہیں پا سکا۔ اب، دَمِ آخر ہے۔
اس لیاقت کا کوئی فرزند نہیں رکھتا۔
مگر، **اَلْحَمْدُلِلّٰہ** کہ صاحبِ امانت، خوبیِ تقدیر سے سامنے آ گیا۔
یہ کہہ کر، عمامہ میرے سر پر باندھا۔ اجازتِ طریقت، عنایت فرمائی۔
کافی مقدار میں شیرینی اور کچھ نقد، نذرانہ بھی پیش کیا۔
جب میں واپس لوٹا، تو حضرت خلیفہ ابوالقاسم، خندہ پیشانی سے ملے اور فرمایا:
کامل اور بھرپور ہو کر آئے ہو۔"
میں نے وہ سب کچھ، انھیں کی خدمت میں پیش کر دیا۔
فرمانے لگے: نقد، ظاہری خوش حالی کی طرف، اشارہ ہے۔
اور عمامہ، سکونِ قلب، اور اجازت، طریقت کی طرف، اشارہ ہے۔
اور ان دونوں چیزوں میں کوئی کسی کا حصہ دار نہیں ہو سکتا۔
بعد میں آپ نے تھوڑی سی شیرینی، قبول فرمالی۔
والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) نے فرمایا کہ:
اس واقعہ سے کئی کرامات کا انکشاف ہوتا ہے۔
خاص طور پر شیخ عبدالعزیز اور حضرت خلیفہ ابوالقاسم **رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُما** کی
کرامات کا ظہور۔" **(بَوارِقُ الولایۃ۔ مشمولہ: انفاس العارفین)**
سید شاہ عظمت اللہ، اکبر آبادی، حُسینی ترمذی سادات سے تھے۔
سلسلۂ قادریہ، چشتیہ، سُہروردیہ اور شطاّریہ میں لوگوں سے بیعت لیتے تھے۔
۴ ربیع الاول ۱۰۸۴ھ کو آپ کا وصال ہوا۔ اکبر آباد (آگرہ) آپ کا مولد و مدفن ہے۔
"والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) فرمایا کرتے تھے کہ:
میرزا، محمد زاہد، ہَروِی نے ایک دن، رمضان المبارک میں میری دعوت کی۔
میں انھیں کے گھر تھا کہ ایک کباب فروش نے
مغرب کے وقت، کبابوں کا خوانچہ لا کر، ان کے سامنے رکھا۔ اور کہا کہ: **نیاز لایا ہوں۔**
مرزا، زاہد، متبسم ہوئے اور کہا کہ: اے عزیز! میں تمہارا استاد ہوں، نہ پیر، پھر یہ نیاز کیسی؟

البتّہ، کوئی ضرورت پیش آئی ہوگی۔ سو، بیان کرو۔
کہنے لگا: کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔
میرزا نے، اِستفسار میں اِصرار کیا، تو معلوم ہوا کہ:
اس کی دوکان، راستے میں ہے۔ اور مرزا کے کارکُن چاہتے ہیں کہ اسے اُٹھا دیں۔
مرزا نے کہا: کل، کسی منصف کو بھیجوں گا، تا کہ بغیر کسی ظلم و زیادتی کے، تمہاری حق رَسی کرے۔
یہ کہہ کر، اس کباب فروش کو جانے کا حکم دیا۔
وہ، کہنے لگا: اتنے سارے کباب میں نے آپ کے لئے تیار کیے تھے۔
اب تو وقت بھی کافی گذر گیا ہے۔ اس تنگ وقت میں یہ کباب، بِک نہیں سکیں گے۔
اس گفتگو کے وقت، میرزا کے بچوں کا استاذ بھی موجود تھا۔ اس سے کہنے لگے:
اے فلاں! اِن کبابوں کی قیمت لگا کر، میرے گھر سے قیمت لا دیجیے۔
اس نے، اٹھنّی لا کر دے دی۔
اس فقیر (عبدالرحیم، دہلوی) نے، مرزا سے آہستہ سے کہا کہ:
اس سارے معاملے میں آپ کا مقصد، رِشوت سے بچنا تھا، مگر وہ، پورا نہ ہو سکا۔
اس لئے کہ ان کبابوں کی قیمت، زیادہ ہے۔
مگر، اپنی مجبوری کے تحت، کباب فروش اس قیمت پر راضی ہو گیا ہے۔"
میرزا زاہد، ہَروِی نے یہ بات سنتے ہی کباب فروش کو بلایا۔ اور اس سے پوچھا۔
سچ بتا؟ گوشت کتنے میں خریدا تھا؟ مصالحے، وغیرہ کتنے میں؟ اور تمہاری مزدوری کتنی ہے؟
حاصلِ کلام، جب حساب کیا، تو ان کبابوں کی قیمت، تین گنا بڑھ گئی۔
میرزا، زاہد نے کباب فروش کو پوری قیمت دے کر، استاذ کو طلب کیا۔
اور اس پر بے حد بگڑے۔ اور کہا:
تم، چاہتے ہو کہ ہم، مالِ حرام سے روزہ، افطار کریں؟ یہ کہاں کی عقل اور کہاں کی دوستی ہے؟"
(بَوارِقُ الولایۃ۔ مشمولہ: انفاس العارفین۔ مکتبہ الفلاح دیوبند)
عہدِ جہانگیری کے قاضی القُضاۃ، قاضی محمد اسلم، ہَروِی کے فرزند تھے: **میرزا، زاہد، ہَروی۔**
میرزا زاہد، ہَروی کے بارے میں، شاہ ولی اللہ، محدِّث دہلوی لکھتے ہیں:
میرزا، زاہد، جَودتِ طبع اور فہمِ رَسا کے لحاظ سے اپنے زمانے میں بے نظیر مانے جاتے تھے۔

ان کی تصانیف میں سے شرحِ مواقف، شرحِ تہذیب، اور رسالہ تصور و تصدیق کے حواشی
شہرۂ آفاق اور عُلما و طلبہ کے درمیان، متداول ہیں۔
علاوہ ازیں، میرزا کی اور تصانیف بھی ہیں۔ مثلاً: حاشیۂ شرحِ تجرید اور حاشیۂ ہَیاکِل۔
معلوم ہوتا ہے کہ حاشیۂ شرحِ مواقف کی مسوّدہ نگاری کا، کام، میرزا نے
اسی سلسلے میں کیا ہے، جب، والدِ گرامی (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) ان سے یہ کتاب پڑھتے تھے۔
........ان کی تصانیفِ تصوف میں سے، دو تین نکتے، تو فقیر (ولی اللہ، دہلوی) کے دل میں
پیوست ہو کر رہ گئے۔ مثلاً: وحدۃُ الوجود کی بحث میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔ "اِلٰی آخِرہٖ
(بوادرُ الولایۃ۔ مشمولہ: انفاسُ العارفین۔ مؤلّفہ: شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی۔ مکتبہ الفلاح، دیوبند)
اس کے بعد "نِکاتِ تصوف اور میرزا زاہد کا اِستدلال" کے عنوان سے شاہ ولی اللہ
محدّث دہلوی نے اثباتِ وحدۃ الوجود کی معرکۃُ الآرا بحث، نقل کی ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:
"والدِ ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) فرمایا کرتے تھے کہ:
ایک دن، عصر کے وقت، مَیں، مُراقبے میں تھا کہ غَیبُت کی کیفیت، طاری ہو گئی۔
میرے لئے اس وقت کو، چالیس ہزار سال کے برابر کر دیا گیا۔
اور اس مدت میں آغازِ آفرینش سے روزِ قیامت تک پیدا ہونے والی مخلوق کے
اَحوال و آثار کو مجھ پر ظاہر کر دیا گیا۔
راقمُ الحروف (ولی اللہ، دہلوی) کا گمان ہے کہ:
آپ نے یہ کلمات، بیان کرتے ہوئے، یہ بھی، بیان فرمایا تھا کہ:
لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے حروف کا فاصلہ اتنے ہزار برس کا ہے۔ وَاللّٰہُ اَعلَم۔ (بوادرُ الولایۃ)
والدِ ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) فرمایا کرتے تھے کہ:
ایک دن میرے دل میں ایک بات ڈالی گئی، جس کا اِجمال، یہ ہے کہ:
آج، تجھے ایک نعمت ملے گی۔
میں، سیر و تفریح کے خیال سے باہر نکل کر شہر کے بعض مقامات سے گذرا۔
تو دل نے گواہی دی کہ: تیرا مطلوب، یہیں ہے۔
میں نے لوگوں سے پوچھا کہ: یہاں، کوئی درویش، یا۔ فاضل ہے؟
جواب ملا کہ: ہاں! فلاں درویش، یہاں رہتا ہے۔

میں، اس کی زیارت کو پہنچا، تو وہ کہنے لگا کہ:
حضرت غوثِ اعظم کا جُبَّہ، تبرکاً، مجھ تک پہنچا ہے۔ اور آج رات مجھے حکم دیا گیا ہے کہ:
آج کے دن، جو شخص بھی، سب سے پہلے میرے سامنے آئے، میں یہ جُبّہ مبارک
اسے دے دوں۔ میں نے، جُبّہ، اس درویش سے لے لیا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔
(بوادرُ الولایۃ۔ مشمولہ: انفاسُ العارفین۔ مکتبۃُ الفلاح، دیوبند)
والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) فرمایا کرتے تھے کہ:
ابتدا میں، مَیں نے چاہا کہ دائمی روزہ، اختیار کروں۔
حضرت ختمی مرتبت عَلَیہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلام کی بارگاہ میں متوجہ ہوا۔ تو، بچشمِ حقیقت دیکھا کہ:
رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے، مجھے روٹی، عطا فرمائی ہے۔
حضرت ابوبکر صدیق، رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنہُ نے خوش طبعی کے طور پر فرمایا:
اَلْھَدَایَا مُشْتَرک۔ ہدیہ، مشترک ہوتا ہے۔"
میں نے وہ روٹی، ان کی خدمت میں پیش کر دی۔ انھوں نے ایک ٹکڑا لے لیا۔
اسی وقت، حضرت عمر رَضِی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنہُ نے فرمایا: اَلْھَدَایَا مُشْتَرک۔
میں نے پھر، روٹی انھیں پیش کر دی۔ انھوں نے بھی ایک ٹکڑا لے لیا۔
پھر، حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنہُ نے فرمایا: اَلْھَدَایَا مُشْتَرک۔
میں نے ان کی بارگاہ میں بھی روٹی پیش کر دی۔ انھوں نے بھی ایک ٹکڑا لے لیا۔
اسی دَوران، حضرت عثمان رَضِی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنہُ نے فرمایا: اَلْھَدَایَا مُشْتَرک۔
میں نے عرض کی: اگر، روٹی، اسی طرح تقسیم ہوتی رہی، تو اِس درویش کو کیا حصہ ملے گا؟
آپ نے، اپنا ہاتھ، روک لیا۔
اس موقع پر، میں بیدار ہو گیا۔ ایک عرصہ تک، میں غور و فکر کرتا رہا کہ:
حضرت ذُوالنُّورَین کی باری پر، حرفِ عُذر کہنے میں کیا نکتہ، پوشیدہ تھا؟
بِالآخر، معلوم ہوا کہ:
مثالی صورتوں میں ایسے اُمور اور وقائع کی مثالوں سے رابطہ، مُراد ہوتا ہے۔
جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق سے طریقۂ نقشبندیہ کا تعلق ہے۔ حضرت عمر تک ہمارا شجرۂ نَسب
پہنچتا ہے۔ اور حضرت علی کی ذاتِ گرامی کے ساتھ، والدہ کی طرف سے، ہمارے نسب اور اصل کا

تعلق ہے۔اور طریقۂ نقشبندیہ، نیز، دیگر سَلاسِلِ صوفیہ بھی انھیں کی ذاتِ گرامی تک پہنچتے ہیں۔

اور بعض واقعات میں، آں جناب کی ذاتِ گرامی سے ہم نے فیوض بھی حاصل کیے ہیں۔

تو، یہ معاملہ، ان اصحابِ ثلٰثہ کی ذاتِ گرامی تک محدود رکھنا، ضروری تھا۔

جب کہ حضرت عثمان ذُوالنُّورَین کے ساتھ، ان وُجوہ واَسباب میں سے

کوئی ایک بھی موجود نہیں ہے۔'' وَاللّٰہُ اَعْلَم۔ (**بَوارِقُ الوِلایۃ**۔مشمولہ: اَنفاسُ العارفین)

''والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) فرمایا کرتے تھے کہ:

ماہِ رمضان میں ایک دن میری نکسیر پھوٹ پڑی، تو مجھ پر ضعف، طاری ہو گیا۔

قریب تھا کہ میں کمزوری کی بنا پر، روزہ، اِفطار کر لوں کہ:

صومِ رمضان کی فضیلت کے ضائع ہونے کا غم، لاحق ہوا۔

اسی غم میں قدرے غنودگی، طاری ہوئی، تو رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو

خواب میں دیکھا کہ آپ نے مجھے، لذیذ اور خوشبودار زَردہ، مرحمت فرمایا ہے۔

پھر، انتہائی خوش گوار ٹھنڈا پانی بھی عطا فرمایا، جو میں نے سَیر ہو کر پیا۔

میں اس عالَمِ غُنُودگی سے نکلا، تو بھوک اور پیاس بالکل ختم ہو چکی تھی۔

میرے ہاتھوں میں ابھی تک، زَردہ کے زعفران کی خوشبو، موجود تھی۔

عقیدت مندوں نے احتیاطاً، میرے ہاتھ دھو کر، پانی محفوظ کر لیا۔

اور تبرکاً، اس سے، روزہ، اِفطار کیا۔'' (**بَوارِقُ الوِلایۃ**۔مشمولہ: اَنفاسُ العارفین)

''حضرت والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) فرمایا کرتے تھے کہ:

ایک مرتبہ، حضرت ختمی مرتبت عَلَیْہِ اَتَمُّ الصَّلٰوتِ وَاَکْمَلُ التَّحِیَّات کو

بچشمِ حقیقت، اس انداز میں دیکھا کہ:

آپ، یاقوتِ سُرخ کی ایسی مسجد میں تشریف فرما ہیں کہ:

جس کا ظاہر و باطن، حُسن وخوبی کا مظہر ہے۔

آپ بشکلِ مُراقبہ، تشریف فرما ہیں اور صحابۂ کرام واَولیائے کاملین بھی

مُراقبے کی صورت میں صف باندھے ہوئے آپ کے اِرد گرد بیٹھے ہوئے ہیں۔

میں مسجد کے دروازے پر پہنچا، تو دیکھا کہ:

یاقوت کے رنگ کا پردہ لٹکا ہوا ہے اور حضرت غوثِ اعظم وخواجۂ نقشبند، قَدَّسَ اللّٰہُ اَسرارَھُمَا

اندر سے اٹھ کر میرے پاس آئے اور میرے ہی بارے میں آپس میں گفتگو کرنے لگے۔

حضرت غوثِ اعظم فرمانے لگے کہ:

اس شخص کے آبا واَجداد، میرے خُلفا سے تعلق رکھتے تھے۔

اس لئے میں اس سے زیادہ قریب ہوں۔

اور حضرت خواجۂ نقشبند نے فرمایا:

اس شخص نے میرے خُلفا سے تربیت، حاصل کی ہے۔

اس لئے مجھے اس پر، زیادہ حق، حاصل ہے۔''

یعنی، آپ کی مُراد، یہ تھی کہ:

اس نے شیخ رفیع الدین محمد، خلیفۂ خواجہ محمد باقی باللہ نقشبندی سے روحانی تربیت، حاصل کی ہے۔

اس گفتگو نے طول پکڑا۔ یہاں تک کہ مجھے خوف ہوا کہ:

اس مجلس کے ختم ہونے تک، کہیں اس فیض سے مَیں، محروم نہ رہ جاؤں۔

بِالآخِر، حضرت غوثِ اعظم نے فرمایا:

جب آپ کے اور ہمارے طریقے میں کوئی فرق نہیں ہے

تو پھر، اس بحث ومباحثہ کی کیا ضرورت ہے؟

خواجۂ نقشبند نے فرمایا: اگر، کچھ فرق نہیں ہے، تو پھر یہ سعادت، مَیں کیوں نہ حاصل کروں؟

حضرت غوثِ اعظم نے فرمایا: کچھ مضایقہ نہیں۔ آپ ہی اسے اندر لے جایئے۔

تاہم، درحقیقت، یہ شخص، میرا عزّ وشرف ہے۔

اور میں اسے اپنی ہی نسبت سے بہرہ وَر کروں گا۔''

یہ سارا مباحثہ ایسے احتیاط وادب واحترام کی فضا میں ہوتا رہا

جس سے زیادہ بہتر صورت، ناممکن ہے۔

اسی وقت، خواجۂ نقشبند نے میرا ہاتھ پکڑا اور اس مسجد میں داخل کیا۔

اور سیدُ الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سامنے، اہلِ صف کے ذرا آگے، لا بٹھایا۔

اور آپ میرے ساتھ، صفِ برابر میں بیٹھ گئے۔

میرے دل میں یہ خیال گذرا کہ:

اس صورت میں، بجُز اس کے، اور کیا حکمت ہے کہ:

جب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم مُراقبے سے سر اُٹھائیں
توسب سے پہلے، آپ کی نگاہِ کرم مجھ پر پڑے۔
اور جب کوئی شخص پوچھے کہ: تجھے کون لایا ہے؟
توخواجہ نقشبند، عرض کرسکیں کہ: اسے میں نے حاضر کیا ہے۔''
خواجہ نقشبند، اس خیال پر مطّلع ہوئے اور فرمایا کہ:
واقعی، اس انداز میں بٹھانے کا سبب یہی ہے۔
اتنے میں رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم نے مُراقبے سے سر اُٹھایا۔
اور بے پایاں لطف وکرم سے مشرّف فرمایا۔
کاتبُ الحروف (ولی اللہ، دہلوی) کا گمان ہے کہ:
اس واقعہ کا تتمّہ، یہ ہوگا کہ:
رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم خلوت میں لے گئے۔
اور نفی واثبات کی عجیب وغریب کیفیات، تلقین فرمائی۔ وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ۔
والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) نے فرمایا کہ:
حدیثِ اَنَـا اَمۡلَـحُ وَاَخِـی یوسف اَصۡبَحُ ۔ کے بارے میں میرے دل میں حیرت
پیدا ہوتی تھی۔ کیوں کہ ملاحتِ حُسن، عاشقوں کے لئے، زیادہ موجبِ اضطراب وبے قراری ہے۔
اور یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ:
جب حضرت یوسف عَلَیۡہِ السَّلام، لباسِ فاخرہ پہن کر جلوہ گر ہوتے تھے
توجمالِ یوسفی کی تاب نہ لاکر بہت سے لوگ، دارُالبقا کو، سُدھار جاتے تھے۔
جب کہ اس قسم کی کوئی بات، حضرت سیدُ الرسل صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم سے
روایت نہیں ہے۔ تو معاملہ، برعکس ہونا چاہیے تھا؟
ایک مرتبہ، رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کو، میں نے چشمِ حقیقت سے دیکھا۔
اور اس نکتہ کے بارے میں اِستفسار کیا۔ تو، آپ فرمانے لگے کہ:
خُدَاوندِ غیور نے، میرے جمالِ حُسن کو لوگوں کی آنکھوں سے مَستور کررکھا ہے۔
اگر میرا حُسن، ظاہر ہوجاتا، تو ہر شخص، وہی کچھ کرتا
جو، یوسف عَلَیۡہِ السَّلام کو دیکھنے والے، کیا کرتے تھے۔

اسی توجیہ سے، میں نے یہ جانا کہ:
حضرت عائشہ، یا حضرت فاطمہ کی، یہ روایت کہ:
''ہم نے رسولِ خدا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کو تمام عمر میں ایک، یا۔ دوبار دیکھا ہے۔''
کیا معنی رکھتی ہے۔
معلوم ہوتا ہے کہ ان مقدس خواتین کی قوتِ اَخذ وقبول کے مطابق
اس جمالِ جہاں آرا کے خُم خانے سے ان تک ایک آدھ جُرعہ ہی پہنچا ہے۔''
(بوادرُ الولایۃ ۔ مشمولہ: انفاس العارفین)
''والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) نے فرمایا کہ:
ایک بار، مجھے بُخار نے آلیا اور بیماری نے طول پکڑا۔ یہاں تک کہ زندگی سے، ناامید ہوگیا۔
اسی درمیان، مجھ پر غنودگی، طاری ہوئی، تو میں نے دیکھا کہ:
حضرت شیخ عبدالعزیز (شکر بار، دہلوی) سامنے، موجود ہیں اور فرما رہے ہیں:
بیٹے! حضرت پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم تیری بیمار پُرسی کو تشریف لا رہے ہیں۔
اور شاید، تیری پائنتی کی طرف سے تشریف لائیں۔ اس لئے چارپائی کو، اس طرح رکھنا چاہیے کہ:
حضورِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کی طرف تمہارے پاؤں، نہ ہوں۔
یہ سُن کر مجھے، کچھ اِفاقہ ہوا۔ قوتِ گویائی نہیں تھی۔ حاضرین نے میرے اشارے پر
چارپائی کا رُخ پھیر دیا۔ اسی وقت، رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم تشریف فرما ہوئے۔
اور فرمایا: کیفُ حالُکَ یابُنَیَّ! (اے میرے بیٹے! کیسے ہو؟)
اس کلام کی لذت، اِس قدر غالب ہوئی کہ:
مجھ پر آہ وبُکا اور وجد واِضطراب کی عجیب وغریب کیفیت، طاری ہوگئی۔
رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم نے مجھے اس انداز سے اپنی بغل میں لیا کہ:
آپ کی داڑھی مبارک، میرے سر پر تھی اور آپ کا جُبّہ مبارکہ،، میری آنکھوں سے تر ہوگیا۔
پھر، آہستہ آہستہ، وجد واضطراب کی کیفیت، حالتِ سکون میں بدل گئی۔
اسی وقت میرے دل میں آیا کہ:
ایک مدت سے، موئے مبارک کے حصول کی آرزو رکھتا ہوں۔
کیا ہی کرم ہو کہ اس وقت، تبرّک، عنایت فرمائیں۔''

میرے اس خیال پر آپ، مطّلع ہوئے۔
اور داڑھی مبارک پر، ہاتھ پھیر کر، دو مقدس بال میرے ہاتھ میں تھما دیے۔
پھر، میرے دل میں خیال آیا کہ:
یہ دونوں مقدس بال، عالَمِ بیداری میں بھی پاس رہیں گے، یا۔نہیں؟
اس اندیشہ اور کھٹکے پر مطّلع ہو کر آپ نے ارشاد فرمایا:
یہ دونوں بال، عالَمِ ہوش، یا۔ بیداری میں بھی باقی رہیں گے۔''
اس کے بعد آپ نے صحتِ کُلّی اور طویل عمر کی خوش خبری سنائی۔
اسی وقت، مرض سے افاقہ ہو گیا۔ میں نے چراغ منگایا۔
وہ دونوں مقدس بال اپنے ہاتھ میں نہ پائے، تو میں غمگین ہو کر، بارگاہِ عالی کی طرف، متوجہ ہوا۔
غَیبُت، واقع ہوئی اور رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم، مثالی صورت میں جلوہ فرما ہوئے۔
فرمایا: اے بیٹے! عقل و ہوش سے کام لو۔
وہ دونوں بال، احتیاطاً، تمہارے سرہانے کے نیچے رکھ دیے تھے۔ وہاں سے لے لو۔''
اِفاقہ ہوتے ہی میں نے مقدس بال، وہاں سے اُٹھائے۔
تعظیم و تکریم سے ایک جگہ، محفوظ کر کے رکھ دیے۔
اس کے بعد، دفعتہً، بُخار ٹوٹا اور انتہائی ضعف و نقاہت، طاری ہوئی۔
عزیزوں نے سمجھا کہ موت آ پہنچی۔ رونے لگے۔
مجھ میں بات کرنے کی سَکَتْ نہیں تھی۔ سر سے اشارہ کرتا رہا۔
کچھ دیر بعد، اصل طاقت بحال ہوئی اور صحتِ کُلّی، نصیب ہوئی۔
اسی سلسلے میں، یہ کلمات بھی فرمائے تھے کہ:
ان دو بالوں کے خواص میں سے ایک، یہ بھی ہے کہ: آپس میں گتھے رہتے ہیں۔
مگر، جب، درود پڑھا جائے، تو جُدا جُدا کھڑے ہو جاتے ہیں۔''
دوسرے، یہ کہ ایک مرتبہ، تاثیرِ تبرکات کے مُنکروں میں سے تین آدمیوں نے امتحان لینا چاہا۔
میں اس بے ادبی پر، راضی، نہیں ہوا۔ مگر، جب بحث و مباحثہ نے طول کھینچا
تو کچھ عزیز، اِن مقدس بالوں کو، سورج کے سامنے لے گئے۔
اسی وقت، بادل کا ٹکڑا، ظاہر ہوا۔ حالاں کہ سورج بہت گرم تھا اور بادلوں کا موسم بھی نہ تھا۔

یہ واقعہ دیکھ کر، مُنکروں میں سے ایک نے توبہ کی۔ اور دوسرے نے کہا کہ: یہ اتفاقی امر ہے۔''
عزیز، دوسری مرتبہ لے گئے، تو دوبارہ، بادل کا ٹکڑا، ظاہر ہوا۔
اس پر، دوسرے مُنکر نے بھی توبہ کر لی۔ مگر، تیسرے مُنکر نے کہا کہ: یہ تو اتفاقی بات تھی۔''
یہ سن کر، تیسری بار، موئے مقدس کو سورج کے سامنے لے گئے۔
سہ بارہ، بادل کا ٹکڑا، ظاہر ہوا، تو تیسرا مُنکر بھی توبہ کرنے والوں میں شامل ہو گیا۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ:

ایک مرتبہ، یہ موئے مبارک، زیارت کے لئے باہر لایا۔

بہت بڑا مجمع تھا۔ ہر چند، صندوقِ تبرک کا تالا کھولنے کی کوشش کی گئی، لیکن، نہ کھُلا۔
اپنے دل کی طرف، متوجہ ہوا، تو معلوم ہوا کہ فلاں آدمی، ناپاک ہے۔
جس کی ناپاکی کی شامت کے سبب، یہ نعمت، میسر نہیں آ رہی ہے۔
عیب پوشی کرتے ہوئے میں نے سب کو تجدیدِ طہارت کا حکم دیا۔
وہ ناپاک آدمی بھی مجمع سے چلا گیا۔
اور اسی وقت، بڑی آسانی سے تالا کھُل گیا اور ہم سب نے زیارت کی۔
والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) نے آخری عمر میں، جب، تبرکات تقسیم فرمائے
تو، ان دونوں بالوں میں سے ایک، کاتبُ الحروف (ولی اللہ، دہلوی) کو عنایت فرمایا۔
جس پر، پروردگارِ عالَم کا شُکر ہے۔''

(بوارق الولایۃ۔ مشمولہ: انفاس العارفین۔ مؤلّفہ: شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی۔ مکتبۃ الفلاح، دیوبند)

والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) نے فرمایا کہ:
ایک دن، میں نے حضرت پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کو دیکھا کہ:
حاضرین میں سے ہر شخص، اپنی فہم و فراست کے مطابق
آپ کی بارگاہ میں درود، پیش کر رہا ہے۔
میں نے بھی یہ درود، عرض کی:
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مَحَمَّدٍ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَآلِہٖ وَاَصحابِہٖ وَبَارِک وَسَلِّم۔
جب آپ نے یہ سنا، تو آپ کے چہرۂ مبارک سے بشاشت اور تازگی، نمودار ہو رہی تھی۔
والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) نے فرمایا کہ:

حضرت رسالت مآب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے یومِ میلاد کے مبارک دنوں میں
ایک مرتبہ، اتفاقاً، خزانۂ غیب سے، کچھ میسر نہ آ سکا کہ:
میں کچھ طعام پکا کر، رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی روحِ پُرفتوح کی نیاز دِلوا سکتا۔
لِھٰذا، تھوڑے سے بھُنے ہوئے چنے اور قند پر اِکتفا کرتے ہوئے
میں نے آپ کی نیاز دِلا دی۔
اسی رات، بچشمِ حقیقت دیکھا کہ:
اَنواع واَقسام کے طعام، رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بارگاہ میں
پیش کیے جا رہے ہیں۔ اسی دَوران، وہ قند اور چنے بھی پیش کیے گئے۔
انتہائی خوشی ومسرت سے آپ نے وہ قبول فرمائے اور اپنی طرف لانے کا اشارہ فرمایا۔
اور تھوڑا سا، اس میں سے تناول فرما کر، باقی اصحاب میں تقسیم کر دیا۔
کاتبُ الحروف (ولی اللہ، دہلوی) کہتا ہے کہ:
اس قسم کا واقعہ، اگلے بزرگوں سے بھی روایت کیا جاتا ہے۔
مگر، یہ واقعہ، بلاشُبہ حضرت والد ماجد کا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ، توارُد ہو گیا ہو۔"
(بَوادِرُ الولایۃ۔ مشمولہ: انفاس العارفین۔ مؤلّفہ: شاہ ولی اللہ دہلوی۔ مکتبۃ الفلاح، دیوبند)
والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) نے فرمایا کہ:
ابتدائے اَحوال میں مختلف طریقِ سلوک کے اصحابِ طریقت کو
میں نے دیکھا اور ان سے اَمرِ واقعی میں اجازت، حاصل کی۔ مِنْجُملہ، ان اصحابِ طریقت
کے
حضرت خواجہ نقشبند کو بھی میں نے بچشمِ حقیقت دیکھا کہ:
لکڑی کے پیالے میں انھوں نے مجھے پانی دیا۔ میں نے سَیر ہو کر پیا۔
پھر انھوں نے مختلف طُرُق وسَلاسِل کی باتیں کیں۔
اور آخر میں تلقینِ طریقہ کی اجازت بھی مَرحمت فرمائی۔
والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) نے فرمایا کہ:
حضرت خواجہ معین الدین حَسَن، چشتی، اجمیری کو میں نے دیکھا کہ:
گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور ایک چراغ، روشن ہے۔

لیکن، اس چراغ کی بَتی، حرکت کی محتاج تھی، تا کہ تازہ ہو کر روشنی پھیلا سکے۔
مجھے آپ نے اس خدمت پر مامور فرمایا۔ چنانچہ، میں نے ایسا ہی کیا۔
اس کے بعد اپنی خاص نسبت آپ نے مجھے عنایت فرمائی۔
اور اس واقعہ کی تعبیر بھی اجازتِ طریقہ ہی تھی۔
والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) نے فرمایا کہ:
ایک بار، مجھے اولیاءاللہ کے سَلاسِل، اس طرح، مشاہدہ کرائے گئے کہ:
گویا، ایک وسیع بازار ہے، جس میں خوبصورت پُختہ دوکانیں ہیں۔
اور ہر دوکان میں صاحبِ سلسلہ بزرگ اپنے اپنے خُلَفا اور معتقدین کے ساتھ، فروکش ہیں۔
میں سب بزرگوں کی زیارت کرتا ہوا بازار سے گذرتا گیا۔
یہاں تک کہ حضرت غوثِ اعظم کی دوکان پر پہنچا اور آپ کی مجلسِ مبارک میں بیٹھ گیا۔
اس وقت اَلْاَعْیَانُ مَاشَمَّتْ رَائِحَۃَ الْوُجُود پر، بحث ہو رہی تھی۔
حاضرین میں سے ہر شخص اپنی فہم وفراست کے مطابق اس کے معانی، بیان کر رہا تھا۔
اپنی باری پر میں نے بھی اس کا مفہوم، بیان کیا۔
حضرت غوثِ اعظم نے میری تشریح پر، خوش ہو کر فرمایا:
غرضِ آں بے چارہ، ہمیں بود۔ (اس بے چارے کی مُراد یہی تھی)
اِس واقعہ کو ایک عرصہ گذر گیا۔ لیکن، فارسی زبان میں ادا کیے ہوئے
آپ کے کلمات ابھی تک میرے ذہن میں محفوظ ہیں۔
اس کے بعد آپ اس مجلس سے اٹھے اور میرا ہاتھ پکڑ کر خلوت میں لے گئے اور فرمانے لگے:
کیا، تمہارے دل میں میری طرف سے کوئی کھٹکا ہے؟
میں نے عرض کی: ہاں! تمام صاحبِ سلسلہ بزرگوں نے
مجھے بلا واسطہ، اجازت وخلافت، عطا فرمائی ہے۔ سِوَا آپ کے۔
آپ نے فرمایا: میرے خُلفا سے تم نے اجازت، حاصل کر لی ہے۔
گویا، بلا واسطہ، مجھ سے کسبِ فیض کر لیا ہے۔ کیوں کہ میرے خُلفا اور مَیں، مَعْنیً ایک ہیں۔
میں نے عرض کی: یہ درست ہے، لیکن، بلا واسطہ فیض میں ایک خاص لطف ولذت ہے۔
اس پر ارشاد فرمایا: اچھا، میں نے بھی تم کو اجازت دی۔

میرے طریقے پر لوگوں کو ارشاد و سلوک کی تعلیم دو۔
جب، اَشغال کی نوبت آئی، تو فرمایا:
تم نے ابتدائی، درمیانی اور انتہائی، تینوں اَشغال کر رکھے ہیں۔ مزید کی ضرورت نہیں۔"
پھر، آپ نے میرے دل پر توجہ ڈالی اور خاص نسبت، عنایت فرمائی۔
اس کے بعد، میں آگے روانہ ہوا، اَور سلاسل کی سَیر کرتا رہا۔
اس دَوران، میں نے بے شمار حقائق و عجائب دیکھے۔
آخر میں عرش کے زیرِ سایہ پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ:
ایک سلسلہ، عرش کے ساتھ، معلّق ہے۔
اور حضرت خواجہ نقشبند، اس کو تھامے ہوئے حالتِ اِستغراق میں ہیں۔
میں نے محسوس کیا کہ آپ کے اِستغراق کی وجہ، یہ ہے کہ:
آپ کے خُلفا (زندہ ہوں، یا مرحوم) میں مخلوق کی طرف، توجہ کی ریاضت و مشقت زیادہ ہے۔ اور حضرت غوثِ اعظم رَحمَۃُ اللّٰہِ عَلَیۡہِ کی نسبت کی وسعت
"لطیفۂ نفس" میں، روحانی تربیت اسی اعتبار سے ظہور پذیر ہوتی ہے۔
اسی طرح، قدیم صوفیۂ کرام کی نسبت **"لطیفۂ نفس"** میں زیادہ ہے۔
اسی بنا پر، قدیم صوفیۂ کرام کے یہاں سخت مشکل ریاضتیں، پیش آتی ہیں۔ فَتَدَبَّرۡ۔
بظاہر، آپ نے "بے چارہ" کا لفظ، اسی لئے استعمال فرمایا ہے کہ:
وہ نفوسِ قدسیہ کہ جو ارشاد کے بلند مقام پر فائز ہوتے ہیں
ان کے نزدیک، عجیب و غریب علوم و معارف کو خاص اہمیت، حاصل نہیں ہے۔"
(**بوادرُ الولایۃ۔ مشمولہ: انفاس العارفین**۔ مؤلّفہ: شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی۔ مکتبۃُ الفلاح، دیوبند)
"والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) نے فرمایا:
ایک بار، مَیں حضرت خواجہ قطب الدین (بختیار، کاکی، دہلوی) کے مزارِ مبارک کی زیارت کے لئے گیا۔ یکا یک، میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ:
میری گنہ گار آنکھیں اور وجود، اس قابل نہیں کہ اس مقدس بارگاہ میں حاضری دیں۔
اس خیال کے آتے ہی مزارِ مبارک سے متصل چبوترے پر رُک گیا۔
اسی دَوران آپ کی روحانیت، جلوہ گر ہوئی اور مجھے حکم دیا کہ: **آگے آؤ۔**

میں، دو تین قدم آگے بڑھا۔ اسی اثنا میں، مَیں نے دیکھا کہ:
آسمان سے چار فرشتے ایک تخت اٹھائے ہوئے آپ کی قبرِ مبارک کے قریب اُترے۔
معلوم ہوا کہ اس تخت پر حضرت خواجہ نقشبند ہیں۔
قِرَانُ السَّعۡدَین ہوا۔ دونوں شیوخ نے خلوت میں، راز و نیاز کی باتیں کیں۔
اس کے بعد حسبِ سابق، فرشتے، تخت اٹھا کر، روانہ ہو گئے۔
اور حضرت خواجہ قطب الدین، میری طرف، متوجہ ہو کر فرمانے لگے کہ: **نزدیک آؤ۔**
میں دو تین قدم اور آگے بڑھا۔
آپ، بار بار، نزدیک آنے کے متعلق فرماتے رہے اور میں آہستہ آہستہ، قریب ہوتا گیا۔
یہاں تک کہ آپ کے بہت قریب آ گیا۔
پھر، آپ نے پوچھا: شعر کے متعلق، تمہارا کیا خیال ہے؟
میں نے عرض کیا: **کَلَامٌ حَسَنُہٗ حَسَنٌ وَقَبِیۡحُہٗ قَبِیۡحٌ** (شعر بھی منجملہ کلام کے ہے۔ اس میں جو اچھا ہے، وہ، اچھا ہے۔ اور جو قبیح ہے، وہ، قبیح ہے)
اس پر، آپ نے ارشاد فرمایا: بَارَکَ اللّٰہُ۔
پھر آپ نے ارشاد فرمایا: خوب صورت آواز کے بارے میں تمھارا خیال کیا ہے؟
میں نے عرض کیا: **ذَالِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ۔**
(یہ فضلِ الٰہی ہے، جس سے، وہ، جسے، چاہے، نواز دے)
آپ نے ارشاد فرمایا: بَارَکَ اللّٰہُ۔
لیکن، جب، یہ دونوں باتیں (شعر اور اچھی آواز) جمع ہو جائیں، تو پھر؟
میں نے عرض کیا: **نُوۡرٌ عَلٰی نُوۡرٍ یَھۡدِی اللّٰہُ لِنُوۡرِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ۔**
آپ نے ارشاد فرمایا: بَارَکَ اللّٰہُ۔ تم بھی، کبھی کبھار، دو ایک بیت، سُن لیا کرو۔
میں نے عرض کیا: خواجہ نقشبند کی موجودگی میں آپ نے یہ باتیں کیوں نہیں ارشاد فرمائیں؟ خلافِ ادب تھی، یا۔ مصلحت نہیں تھی؟
(ان دو باتوں میں سے آپ نے، ایک فرمائی)
حضرت والد ماجد نے فرمایا: عرصے کی بات ہے۔ صحیح الفاظ، یاد نہیں ہیں۔
"والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) نے فرمایا:

ایک دفعہ، میں، اِنھیں (حضرت خواجہ قطب الدین بختیار، کاکی) کے مزارِ مبارک کی
زیارت کے لئے گیا۔ آپ کی روحِ مبارکہ، ظاہر ہوئی اور مجھ سے فرمایا کہ:
تمھیں ایک فرزند پیدا ہوگا۔ اس کا نام ''**قطب الدین احمد**'' رکھنا۔
اس وقت میری زوجہ، عمر کے اُس حصے میں پہنچ چکی تھیں
جس میں اولاد کا پیدا ہونا، ناممکن ہوتا ہے۔
میں نے سوچا کہ شاید، اس سے مُراد، فرزند کا بیٹا، یعنی پوتا ہے۔
میرے اِس وَہم پر آپ فوراً مطّلع ہوگئے اور فرمایا:
میرا مقصد، یہ نہیں۔ بلکہ یہ فرزند (جس کی بشارت دی گئی ہے) خود تمہاری صُلب سے ہوگا۔
کچھ عرصے بعد، دوسرے عَقد کا خیال پیدا ہوا۔
اور اس سے کاتبُ الحروف (فقیر، ولی اللہ، دہلوی) پیدا ہوا۔
میری پیدائش کے وقت، والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) کے ذہن سے یہ واقعہ اُتر گیا۔
اس لئے انھوں نے ''**ولی اللہ**'' نام رکھ دیا۔
کچھ عرصہ بعد جب انھیں یہ واقعہ یاد آیا، تو انھوں نے میرا دوسرا نام ''قطب الدین احمد'' رکھا۔
''والد ماجد نے فرمایا: ایک مرتبہ، میں نے شیخ نصیرالدین، چراغ دہلوی کو خواب میں دیکھا کہ:
وضو فرما رہے ہیں اور نماز کی تیاری کر رہے ہیں۔''
میں نے پوچھا کہ: یہ تو، عالَمِ (آخرت) تکلیف (عمل) نہیں ہے۔
یہاں پر، وضو اور نماز کی کیا حکمت ہے؟
آپ نے ارشاد فرمایا: چوں کہ دنیا میں اکثر وقت، ان اُمور کی انجام دہی میں گذرا ہے
اس لئے ان میں لذت محسوس ہوتی ہے۔ یہاں پر، ان کی ادائیگی
کسی فریضے کے طور پر نہیں، بلکہ لطف ولذت کی خاطر ہے۔
نماز کے بعد اَرواحِ اَولیا، جمع ہوگئیں اور ان کے درمیان، گفتگو، شروع ہوگئی۔
حضرت شیخ نصیرالدین، چراغ دہلوی نے ارشاد فرمایا کہ:
تم بھی ہماری محفل میں شامل ہو جاؤ۔
میں نے اس مقدس مجلس میں جانے سے گریز کیا۔
اس پر، آپ نے فرمایا: ہماری مجلس، عام مجالس کی طرح نہیں ہے۔

چنانچہ، میں حاضر ہوگیا اور اس مجلس میں وَجد بھی دیکھا گیا۔''
''والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) نے فرمایا:
اکبر آباد میں، میرزا، زاہد، ہر وِی سے تعلیم کے دَوران
ایک دفعہ، درس سے واپسی پر ایک لمبے کوچے سے گذر رہا۔
اس وقت، میں، خوب ذوق میں سعدیؔ شیرازی کے یہ اشعار، گنگنا رہا تھا:
جُز، یادِ دوست، ہر چہ کُنی، عمر ضائع است — جُز، سِرِّ عشق، ہر چہ بخوانی، بطالت است
سعدیؔ، بشوے لوحِ دل از نقشِ غیرِ حق — علمے کہ رہ بحق ننماید، جہالت است
اتفاق کی بات کہ چوتھا مصرع، میرے ذہن سے اُتر گیا تھا۔
ہر چند، ذہن پر، زور دیا، لیکن، یاد نہ آیا۔
اس تار کے ٹوٹنے سے میرے دل میں سخت اضطراب اور بے ذوقی کی کیفیت پیدا ہوئی کہ:
اچانک ایک فقیر منش، ملیح چہرہ، دراز زُلف، پیرمَرد، نمودار ہوا۔ اور اس نے مجھے لقمہ دیا۔ ع
علمے کہ رہ بحق ننماید جہالت است
میں نے کہا: جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرَالْجَزَاءِ۔ آپ نے مجھے، کتنی پریشانی سے نجات دلائی ہے۔
اور میں نے ان کی خدمت میں، پان، پیش کیا۔ انھوں نے مسکراتے ہوئے فرمایا:
یہ بھولا ہوا مصرع، یاد دلانے کی مزدوری ہے؟
میں نے عرض کیا کہ: نہیں۔ یہ تو بطور ہدیہ اور شکریہ، پیش کر رہا ہوں۔
اس پر انھوں نے فرمایا: میں، پان نہیں استعمال کرتا۔
میں نے عرض کیا: پان کے استعمال میں کوئی شرعی پابندی ہے، یا طریقت کی رکاوٹ؟
اگر، ایسی کوئی بات ہے، تو مجھے بتایئے۔ تاکہ میں بھی اس سے اِحتراز کروں۔
انھوں نے فرمایا: ایسی کوئی بات نہیں۔ البتہ، میں، پان نہیں کھایا کرتا۔
پھر، فرمایا: مجھے، جلدی جانا چاہیے۔ میں نے کہا: میں بھی جلدی چلوں گا۔
انھوں نے فرمایا: میں، جلد تر جانا چاہتا ہوں۔
یہ کہہ کر، انھوں نے قدم اٹھایا اور کوچے کے آخر میں رکھا۔
میں نے جان لیا کہ یہ کسی اہلُ اللہ کی روحِ مبارکہ ہے، جو انسانی شکل میں جلوہ گر ہے۔
میں نے آواز دی کہ: اپنا نام تو بتاتے جایئے، تاکہ فاتحہ پڑھ لیا کروں۔

فرمایا: فقیر کو، سعدیؔ کہتے ہیں۔''

(بوادرُ الولایۃ۔مشمولہ: انفاس العارفین۔مؤلّفہ: شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی)

''والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) نے فرمایا:

ایک دفعہ، رات کے وقت، سَیر کرتا ہوا، مَیں ایک بہت خوب صورت مقبرہ میں پہنچا۔

تھوڑی دیر، وہاں، میں ٹھہرا رہا۔ اسی اثنا میں میرے دل میں خیال آیا کہ:

اِس جگہ، اِس وقت میرے علاوہ کوئی بھی شخص، ذکرِ الٰہی میں مصروف نہیں ہے۔''

اس خیال کے آتے ہی ایک کوزہ پشت معمّر شخص، ظاہر ہوا۔

اور اس نے پنجابی زبان میں گانا، شروع کیا۔ اس کے گیت کا مفہوم یہ تھا:

دوست کے دیدار کی آرزو، مجھ پر غالب آ گئی ہے۔''

میں اس کے نغمے سے متأثر ہو کر، اس کی طرف بڑھا۔

میں، جوں جوں، اس کے نزدیک ہو رہا تھا، وہ، اسی قدر مجھ سے دور ہوتا جا رہا تھا۔

پھر، اس نے کہا: تمھارا خیال، یہ ہے کہ اس مقام پر تمھارے علاوہ، کوئی ذاکر نہیں ہے۔

میں نے جواب دیا: میرا یہ خیال، زندوں کے بارے میں تھا۔''

اس پر، اس نے کہا: اس وقت، تو تم نے مطلق تصور کیا تھا۔ اب، تخصیص کر رہے ہو۔''

اس کے بعد، وہ، غائب ہو گیا۔''

''والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) نے فرمایا:

''شیخ بایزید، اللہ گو'' نے حَرمین کی زیارت کا قصد کیا۔

آپ کی معیت میں بہت سے ضعیفُ العمر بچے اور عورتیں بھی تیار ہو گئیں۔

حالاں کہ زادِ راہ کا کوئی انتظام، نہ تھا۔

برادرِ گرامی اور میں نے متفقہ طور پر، ارادہ کیا کہ انھیں واپس لایا جائے۔

جب ہم، تغلق آباد (دہلی) پہنچے، تو دن، بہت گرم ہو چکا تھا۔

ہم لوگ ایک سایہ دار درخت کے نیچے، آرام کی غرض سے بیٹھ گئے۔

اس دوران، تمام اَحباب سو گئے۔

اور میں، اکیلا، ان کے سامان کی حفاظت کے لئے جاگتا رہا۔ اپنے آپ کو بیدار رکھنے کے لئے
میں نے قرآن مجید کی تلاوت، شروع کر دی۔ چند سورتیں، تلاوت کر کے، میں خاموش ہو گیا۔

اچانک، قریبی قبور میں سے ایک صاحبِ قبر، مجھ سے مخاطِب ہوا کہ:

قرآنِ مجید کے حیات بخش نغمات سننے کے لئے مدت سے ترس رہا ہوں۔

اگر، کچھ وقت، تلاوت کریں، تو احسان مند ہوں گا۔''

میں کچھ اور تلاوت کر کے، پھر خاموش ہو گیا۔

صاحبِ قبر نے مزید استدعا کی۔ میں نے پھر پڑھا۔

میرے چپ ہونے پر، اس نے تیسری مرتبہ، درخواست کی۔

میں نے اس دفعہ بھی چند آیاتِ قرآن کی تلاوت کی۔

اس کے بعد، یہ صاحبِ قبر، مخدومی، برادرِ گرامی، جو پاس ہی سو رہے تھے
ان کے خواب میں آیا اور کہا:

میں نے ان سے بار بار، تلاوت کے لئے کہا ہے۔ اب مجھے، حیا آتی ہے۔

آپ انھیں فرمائیں کہ:

قرآنِ مجید کا کچھ زیادہ حصہ، تلاوت کر کے میرے لئے روح کی غذا، فراہم کریں۔''

وہ، نیند سے اُٹھے اور مجھے، صورتِ حال سے آگاہ کیا۔

میں نے، نسبتۃً، زیادہ تلاوت کی۔

جس پر میں نے ان اہلِ قبور میں خوشی و مسرت کی خاص کیفیت محسوس کی۔

اور انھوں نے مجھ سے فرمایا: جَزَاکَ اللّٰہُ عَنِّی خَیْرَالْجَزَاءِ۔

اس کے بعد، ان سے، عالمِ برزخ کے بارے میں پوچھا۔ انھوں نے کہا:

میں، ان قریبی قبروں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔

البتہ، میں اپنا حال آپ کو سناتا ہوں: جب سے میں نے دنیا سے انتقال کیا ہے۔

میں نے کسی قسم کا عذاب، یا عتاب نہیں دیکھا۔ اگر چہ، بہت زیادہ انعام واکرام بھی نہیں ہے۔

میں نے پوچھا: تمہیں معلوم ہے کہ کون سے عمل کی برکت سے تمہیں، نجات ملی ہے؟

اس نے کہا: میں نے ہمیشہ، اس بات کی کوشش کی کہ دنیاوی بکھیڑوں سے خود کو آزاد کروں
اور ذکرِ الٰہی اور عبادت سے غافل کرنے والی چیزوں سے کنارہ کشی کروں۔

اگر چہ، اپنے ارادے کو عملی جامہ، نہ پہنا سکا۔

تاہم، خدائے تعالیٰ نے میرے حُسنِ نیت کو پسند فرما کر، مجھے، یہ صلہ، عطا فرمایا۔

قیلولہ سے فراغت، حاصل کر کے، شیخ بایزید سے صحبت ہوئی اور انھیں واپس لائے۔''

(بَوادِرُ الولایۃ ۔مشمولہ: انفاس العارفین ۔مؤلّفہ: شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی)

''والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) نے فرمایا کہ:

میرے والد (شیخ وجیہُ الدین شہید) شہادت کے بعد

کبھی کبھی، ظاہری شکل وصورت میں مجسّم ہوکر، میرے پاس، تشریف لایا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ، مخدومی، برادرِ گرامی کی دختر ''کریمہ'' بیمار ہوگئی۔ اس کی بیماری نے طول پکڑا۔

انھیں ایام میں تنِ تنہا، میں اپنے حُجرے میں سورہا تھا کہ اچانک، والد شہید، تشریف لائے۔

اور فرمانے لگے: میں، چاہتا ہوں کہ ''کریمہ'' کو ایک نظر دیکھ لوں۔

لیکن، اس وقت، گھر میں بہت سی مَستورات آئی ہوئی ہیں۔

ان کی موجودگی میں وہاں جانا، طبیعت پر گراں گذر رہا ہے۔

تم، ان مَستورات کو ایک طرف کردو۔ تاکہ میں ''کریمہ'' کو دیکھ لوں۔

چوں کہ اس وقت، ان مَستورات کو، وہاں سے اٹھانا، خلافِ مصلحت تھا

اس لئے میں نے ان کے، اور ''کریمہ'' کے درمیان، پردہ لٹکا دیا۔

اس کے بعد وہ، اس طرح، ظاہر ہوئے کہ

''کریمہ'' اور میرے علاوہ انھیں اور کوئی نہیں دیکھ رہا تھا۔

''کریمہ'' نے، انھیں پہچان لیا۔ اور کہا:

عجیب بات ہے۔ لوگ تو، اِن کو شہید کہتے ہیں۔ حالاں کہ یہ زندہ ہیں۔''

فرمانے لگے: بیٹی! اس بات کو چھوڑو۔ تم نے بیماری میں کافی تکلیف، برداشت کی ہے۔

اِنْ شَاءَ اللّٰہُ کل صبح کی اذان کے وقت، تمھیں مکمل نجات مل جائے گی۔''

یہ بات فرماکر اٹھے اور دروازے کے راستے سے باہر نکلے۔ میں بھی ان کے پیچھے، روانہ ہوا۔

فرمایا: تم ٹھہرو۔ اور پھر، غائب ہوگئے۔

دوسرے روز، فجر کے وقت ''کریمہ'' کی روح، پرواز کرگئی۔

اور اس نے، ہر قسم کی تکلیف سے نجات، حاصل کرلی۔''

(بَوادِرُ الولایۃ ۔مشمولہ: انفاس العارفین ۔مؤلّفہ: شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی)

''حضرت والدِ گرامی (شاہ عبدالرحیم، دہلوی)

جب کبھی، مخدومی، شیخ محمد قُدِّسَ سِرُّہٗ کی قبرِ مبارک کے پاس بیٹھتے، فرماتے کہ:

ان کی روح، نماز میں میری اِقتدا کرتی ہے اور مجھ سے معارِف، کسب کرتی ہے۔''

ایک دفعہ، اس فقیر (ولی اللہ) کی طرف، متوجہ ہوئی اور بعض فیوض ومعارِف، عطا فرمائے۔

پھر فرمایا: مخدومی، شیخ محمد قُدِّسَ سِرُّہٗ کی روحِ پُرفتوح نے مجھے حکم دیا ہے کہ:

فلاں کو، کچھ معارِف کی تعلیم دوں۔''

وہ تمام، میں نے، تمھارے سامنے، بیان کردیے ہیں۔''

''والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) نے فرمایا:

ایک دفعہ، میں، چند اَحباب کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ:

ایک طویلُ القامت، پُرہَیبت شخص، ہاتھ میں تیر وکمان لیے ہوئے آیا۔

اور مَسنون طریقے سے مجھے سلام کیا۔ میں نے اس کے سلام کا جواب دیا۔

پھر، اس نے بتایا کہ:

میں، وَبا پر مقرّر کیا ہوا فرشتہ ہوں۔ عرصہ سے آپ کی ملاقات کی خواہش تھی۔

آج، ہمارے لشکر نے اس علاقے سے گذر کیا ہے۔

میں نے سوچا، اچھا اتفاق ہے۔ آپ سے مل لوں۔

آج، ہمیں، فلاں جگہ سے کوچ اور فلاں مقام پر پہنچنے کا حکم ہے۔

میں، آپ کو خوش خبری سناتا ہوں کہ:

آپ کے اَحباب ومعتقدین میں سے کوئی شخص بھی، اس وَبا میں ہلاک نہیں ہوگا۔''

اس کے بعد اس نے سلام کیا اور چلا گیا۔

چنانچہ، چند دنوں میں، وَبا بھی اس کے بتائے ہوئے علاقے میں منتقل ہوگئی۔

اور معتقدین واَحباب بھی محفوظ رہے۔''

''والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) نے فرمایا:

ایک دن، میں، تنہا اپنے حجرے میں بیٹھا ہوا تھا کہ: ایک شخص آیا اور مجھ سے کہنے لگا:

اگر تم چاہو تو، ابھی اس دنیائے دوں سے دارُالآخرت کی طرف، منتقل ہوسکتے ہو۔

اور اگر، چاہو، تو کچھ عرصہ بعد۔

میں نے جواب دیا۔ ابھی کچھ کمالات اور منازل، حاصل کرنا، باقی ہیں۔

اور میں، ان کی اُمید میں ہوں۔''

کہنے لگا: اچھا، تمہاری مرضی کے مطابق، تمہاری موت، مؤخّر کردی گئی ہے۔

اس کے بعد وہ شخص، واپس ہوا۔

میں نے، اس کی پُشت پر، جڑے ہوئے مُرصّع جواہرات دیکھے۔

یہ واقعہ، مختصراً، بیان کیا گیا ہے۔''

''والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) نے فرمایا:

یک دفعہ، میں ''رُہتک'' شہر میں، تفریح کے ارادے سے باہر نکلا۔

راستے کی تھکاوٹ اور دن کی گرمی کے باعث، تھوڑی دیر کے لئے ایک مقبرے میں چلا گیا۔

اندر جاتے ہی مجھے محسوس ہوا کہ:

ان قبروں میں آگ بھڑک رہی ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ یہاں کوئی مسلمان، مدفون ہے۔

اتفاقاً، اس وقت مجلس میں ایک ہندو بھی موجود تھا۔ وہ، متعجب ہوکر کہنے لگا:

آپ نے کس طرح معلوم کرلیا کہ یہ مسلمانوں کی قبریں، نہیں ہیں؟

میں نے کہا: کشف کے ذریعہ۔ پھر، اس ہندو نے اعتراف کیا کہ:

یہ مسلمانوں کی قبریں، نہیں ہیں، بلکہ یہاں پر، چند جُوگی، زندہ درگور ہوگئے تھے۔

بعد میں لوگوں نے مسلمانوں کی طرز پر، ان کی قبریں بناڈالیں۔''

(**بوارِدُ الولایۃ**۔ مشمولہ: انفاس العارفین۔ مؤلّفہ: شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی)

''والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) نے فرمایا:

ایک مرتبہ، اکبرآباد میں بارش اور ہواؤں کے موسم میں سوار ہوکر جارہا تھا۔

دیکھا کہ راستے میں ایک جگہ، کتّے کا پِلّا، دَلدَل میں ڈوب رہا ہے۔

اور خوب، زور زور سے چِلّا رہا ہے۔

یہ دیکھ کر اور اس کی دردناک آواز سے میرا دل بھر آیا۔

میں نے، خادم سے کہا: جلد جاؤ، اور اس پِلّے کو باہر نکالو۔

اس نے نفرت کا اظہار کرتے ہوئے انکار کیا۔

میں، جلدی جلدی، گھوڑے سے اُترا۔ کپڑے، اوپر چڑھائے۔

اور پانی میں اُترنے کے لئے آگے بڑھا۔

خادم نے جب یہ صورتِ حال دیکھا، تو چاروناچار، خود آگے بڑھا اور پِلّے کو باہر نکال لایا۔

قریب ہی میں ایک حَمّام تھا، وہاں سے گرم پانی لے کر میں نے اس کو نہلایا۔

طبّاخی سے روٹی اور شوربا لے کر، اس کو خوب کِھلایا۔

پھر، میں نے کہا کہ:

یہ کتّا، اس محلے کا ہے۔ اگر، اس محلے والے، اس کی خبر گیری کی ذِمّہ داری اُٹھائیں، تو بہتر ہے۔

ورنہ، ہم، اس کو اپنے محلے میں لے جائیں گے۔

طبّاخ نے، یہ ذِمّہ داری، قبول کرلی۔ چنانچہ، یہ کتا، اس کے حوالے کرکے، میں رخصت ہوگیا۔

کچھ عرصے بعد، میں اسی محلے کے اسی کوچے سے گذر رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ:

سامنے ایک کتا آرہا ہے اور اس کوچے میں کیچڑ بھی ہے۔ میرے دل میں آیا کہ:

اس جگہ سے جلدی گذر جانا چاہیے، تاکہ کتّے کے ناپاک چھینٹے، کپڑوں پر، نہ پڑیں۔

مَیں تیزی سے بڑھا، مگر، کتا مجھ سے بھی زیادہ تیزی سے آگے آیا۔

اسی کیچڑ پر، ہم ایک دوسرے کے قریب آگئے۔

مجھے، دیکھ کر وہ کتا، ٹھہر گیا۔ اور صاف زبان میں کہنے لگا:

اَلسَّلامُ عَلَیْکَ۔ میں نے وَعَلَیْکَ کہا۔

پھر، اس کُتّے نے کہا: تم نے حدیثِ قُدسی میں پڑھا ہے۔ ربُّ العِزّت فرماتا ہے:

یٰعِبَادِی اِنِّی حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰی نَفْسِی۔ وَجَعَلْتُہٗ عَلَیْکُمْ مُحَرَّماً۔ فَلَا تُظَالِمُوا۔

(میں نے ظلم کو، اپنے اوپر حرام کررکھا ہے۔ اور اسے تم پر بھی حرام کیا ہے۔ تو ظلم، نہ کرو)

مجھ پر، تم نے کیوں ظلم کیا ہے؟

میں نے کہا کہ: مجھے تو کچھ علم نہیں کہ میں نے کون سا ظلم کیا ہے؟

اس نے کہا کہ:

راستہ اور کوچہ، دونوں، انسان اور حیوان کی گذرگاہ ہے۔ اصولاً، ہمیں حسبِ عادت نرم رفتار سے آنا چاہیے تھا۔ پھر بھی ہم دونوں، اکٹھے ہوجاتے، تو اس میں کوئی حرج نہ تھا۔

میں نے کہا: انسان پر عبادتِ الٰہی کی بجاآوری کے لئے جسم اور کپڑوں کی طہارت بھی فرائض میں شامل ہے۔ میں نے سوچا کہ جلدی سے گذر جاؤں۔

کیوں کہ اگر میرے کپڑے ناپاک ہو گئے، تو انھیں پاک کرنے میں وقت لگے گا۔
اس نے کہا: اس وقت، تمہارے دل میں یہ خیال نہ تھا۔
بلکہ تم نے محض کتے سے کراہت اور نفرت کے سبب، جلدی گذر جانا چاہا۔
اب اپنے اس فعل کو صحیح، ثابت کرنے کے لئے ایک جائز عُذر کا بہانہ بنا رہے ہو۔
اگر، تمہارے کپڑے، پلید ہو جاتے، تو وہ، پانی کی معمولی مقدار سے پاک ہو سکتے تھے۔
لیکن، اگر، انسانی قلب، تکبُّر اور خود بینی کی پلیدی سے ناپاک ہو جائے
تو وہ، سات دریاؤں کے پانی سے بھی پاک نہیں ہو سکتا۔
میں نے اس بات پر، اسے داد دی اور دل میں شرمسار ہوا۔
اس کے بعد، میں، دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا اور اس سے کہا:
تم نے مجھے نصیحت کی ہے۔ اب اس راستے سے گذر جاؤ۔
وہ، کہنے لگا گذشتہ زمانے کے درویش، ایثار و قربانی کا جذبہ رکھتے تھے۔
لیکن، اس دَور کے فُقَرا، اپنے آپ کو، ترجیح دیتے ہیں۔
میں نے کہا: ان دو لفظوں کی تشریح، تو کرو۔
کہنے لگا: پہلے، فُقَرا، خسیس اپنے لئے اور نفیس، دوسروں کے لئے پسند کرتے تھے۔
لیکن، اس دَور کے درویش، اچھی چیز لے لیتے ہیں۔
اور بُری، دوسروں کے لئے چھوڑ دیتے ہیں۔
صاف راستہ، تم نے اپنے لئے پسند کیا ہے اور کیچڑ والا راستہ، میرے لئے چھوڑ دیا ہے۔
یہ سنتے ہی میں، خراب راستے کی طرف ہو گیا اور اس کے لئے صاف راستہ چھوڑ دیا۔
وہ کتّا، کہنے لگا: **اللہ تعالیٰ، پاکیزہ عقل، عطا فرمائے اور عقلِ کور سے بچائے۔**
میں نے اس سے پوچھا: پاکیزہ عقل کیا ہے اور عقلِ کور، کون سی ہے؟
وہ، کہنے لگا: پاکیزہ عقل، یہ ہے کہ بغیر کہے سنے، آدمی، صحیح راستہ، اختیار کرے۔
اور عقلِ کور، یہ کہ جب تک اسے بتایا نہ جائے، وہ، بھٹکتا رہے۔
اس کے بعد میں نے سلام کیا اور رخصت ہو گیا۔
میں نے پیچھے، مُڑ کر دیکھا، تو وہاں، کچھ نہ تھا۔ میں نے جان لیا کہ:
پلّے کو باہر نکالنے کا عمل، مقبول ہو گیا ہے اور اسی کے نتیجے میں یوں، تعلیم و تربیت

دی جاری ہے۔" (**بوادرُ الولایۃ۔ مشمولہ: انفاس العارفین۔ مؤلّفہ: شاہ ولی اللہ، محدّث دہلوی**)
والد ماجد (شاہ عبد الرحیم، دہلوی) نے فرمایا:
ابتدائے حال میں بعض اوقات، ساری ساری رات اور بعض دفعہ، اکثر شب
ذکرِ الٰہی میں گذرتی تھی۔ یہ ذکر، کبھی اونچی آواز میں، کبھی، ہلکی آواز میں ہوتا۔
ذکر کے وقت ہمارے ساتھ ایک نیک بخت جن بھی انسانی شکل میں شریک ہوا کرتا تھا۔
جب بعض احباب نے پوچھا: تم کون ہو؟
تو اس نے بڑی سختی سے جواب دیا کہ تم یہ سوال، کیوں کر رہے ہو؟
جمعہ کے دن میرے وعظ میں بھی شریک ہوا کرتا تھا۔
ایک دفعہ، حاضرین میں سے ایک شخص نے پوچھا کہ:
کیا، جِنّات میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو نماز اور روزہ، ادا کرتے ہیں؟
میں نے کہا: ہاں! یہ شخص جو تمھارے درمیان، موجود، جِنّات کے متقی افراد میں سے ہے
وعظ سننے کے لئے آیا کرتا ہے۔ یہ سُن کر، وہ ایسا غائب ہوا کہ پھر نظر نہ آیا۔
کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ، محدّث دہلوی) نے
اس کی شکل و شباہت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا:
اس کی پیشانی اور آنکھوں سے وحشت ٹپکتی تھی۔
والد ماجد (شاہ عبد الرحیم، دہلوی) نے فرمایا:
ایک جن نے مجھ سے بیعت کے اَشغال و اَوراد سیکھے۔
ایک دن، میں گھوڑے پر سوار جا رہا تھا کہ وہ، متشکّل ہو کر میرے سامنے آ گیا۔
اور صلوٰۃُ التسبیح کے بارے میں پوچھنے لگا۔ میں نے اسے بتایا۔
جہاں اسے میری بات پوری طرح سمجھ میں نہ آتی، دوبارہ پوچھتا۔
یہاں تک کہ اچھی طرح سمجھ گیا۔ الخ
اس کے بعد، ص ۱۲۳ تا ۱۵۰، اَنفاسُ العارِفین میں
حضرت شاہ عبد الرحیم، محدِّث دہلوی کے تصرُّفات و مکاشفات اور کرامات کا
حضرت شاہ ولی اللہ، محدّث دہلوی نے ذکر کیا ہے۔
پھر، ص ۱۵۱ تا ص ۱۹۱، حضرت شاہ عبد الرحیم کے ملفوظات، آپ نے تحریر کیے ہیں۔

جن میں سے چند ملفوظات، درج ذیل ہیں:

''حضرت والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) فرماتے تھے کہ:

ایک بزرگ نے توفیقِ الٰہی سے، دنیوی مشاغل سے کنارہ کشی کر لی۔

اور اپنی تمام تر توجہ، رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کی طرف

متوجہ ہونے اور درود شریف پڑھنے میں صَرف کر دی۔

کچھ دنوں میں، اس پر، اُویسی نسبت، ظاہر ہوئی۔

اور رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم سے فیض پانے لگا۔

اور اپنے آپ کو ''کمونی'' کے لقب سے مشہور کر دیا۔

اس تعلق سے کہ ''کمون'' کے معنی، پردے کے ہیں۔

اور سولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم نے، طریقِ اویسی کے ذریعہ

اَسرارِ خفی کے سارے پردے اُٹھا دیے تھے۔

والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) نے فرمایا:

مجھے بھی اس بزرگ سے ملاقات اور دوستی کا شرف، حاصل تھا۔ ایک دن، اُن سے سنا کہ:

رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کو، خَلاؤں میں، دھرتی پر، اُٹھنے بیٹھنے، بولنے چالنے

اور کھانے پینے، اَلغَرض، ہر حالت میں دیکھتا ہوں۔ اور آپ کی کوئی بھی حالتِ مبارکہ

مجھ پر چھپی نہیں رہتی۔ اور مجھ ناچیز پر، حق سُبحٰنَہٗ وتعَالیٰ کا، یہ کرمِ خاص ہے۔

میں (عبدالرحیم، دہلوی) نے کہا کہ:

آپ کی انتہائی محبت کے سبب، رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کی صورتِ کریمہ

آپ کی قوتِ متخیلہ میں، رَچ بَس چکی ہے۔

ورنہ، آپ کو رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کی رویتِ حقیقیہ، نصیب نہیں۔''

یہ سن کر، وہ کہنے لگے: اس پر، دلیل لائیے، تاکہ مجھے، تصدیق، حاصل ہو۔

میں نے کہا کہ:

فلاں آیت کا معنی، یا۔ بدر و اُحُد کا واقعہ، رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم سے

اِستفسار کیجیے۔ اگر، ایسا جواب ملے، جو، عُلما کے نزدیک، یقینی اور تحقیقی ہے

تو ماننا پڑے گا کہ آپ کو، رویتِ حقیقیہ، حاصل ہے۔

اور اگر، کچھ معلوم نہ ہو، یا۔ خلافِ حقیقت، ظاہر ہو

تو پھر سمجھ لیجیے کہ آپ کے دماغ میں

رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کی صورتِ خیالیہ بَس رہی ہے۔

اس پر، اس بزرگ نے کچھ آیات واحادیث پڑھیں۔

اور رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم سے

اس نے، بزعمِ خویش، بار بار پوچھا۔ مگر، کچھ جواب نہ ملا۔

میں نے کہا: حقیقت، واضح ہو گئی کہ:

فرطِ محبت کی وجہ سے آپ کے ذہن وخیال میں

صورتِ خیالیہ کی کیفیت، طاری رہتی ہے۔ نہ کہ رویتِ حقیقیہ۔

حضرت والا کے ہم نشینوں میں سے ایک اور بزرگ پر، یہی کیفیت، طاری ہوئی۔

تو آپ نے اسے بھی، یہی کچھ فرمایا۔

فقیر (ولی اللہ، دہلوی) اس مقام پر، ایک تحقیق، پیش کرتا ہے۔ اور وہ، یہ کہ:

کبھی کبھی، ایسے حضوری لوگوں کو، رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کی روحِ انور سے

کامل مناسبت پیدا ہو جاتی ہے، تو ایسے عالَم میں حالتِ خواب اور بیداری کی تمیز اُٹھ جاتی ہے۔

اور، ان حضرات کو، بغیر دِقّتِ نظر کے، کائنات کے ذرّے ذرّے میں

صورتِ محمدی، جلوہ گر نظر آتی ہے۔

اور اگر، یہ کیفیت، زندگی بھر، طاری رہے، تو بھی اسے رویتِ حقیقیہ نہ کہا جائے گا۔

اور عالَمِ خواب میں انبیا وصالحین کے مبشّرات اور صوفیہ کے اس حال میں کچھ فرق نہیں۔

مذکورہ بالا واقعہ میں شخصِ مذکور کا آیات واحادیث کے معانی

رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم سے دریافت، نہ کر پانا، کچھ وجوہات رکھتا ہے۔

مثلاً: یہ کہ اس بزرگ کی نسبت، اس پایہ کی نہیں تھی کہ:

براہِ راست، رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم سے علوم و اَسرار کی گرہ کشائی کر سکے۔

یا۔ صاحبِ نسبت، ابھی خام تھا۔

یا۔ اس لئے کہ صاحبِ نسبت نے چند خاص اُمور میں

رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم سے مناسبت پیدا کی، نہ کہ یہ نسبت

رسولِ اکرم **صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم** کے مخفی علوم کے حصول کی نیت سے پیدا کی۔

فقیر (ولی اللہ، دہلوی) کا گمان، یہ ہے کہ:

مذکورہ بالا صاحبِ نسبت بزرگ کے اِدِّعائے مناسبت کو

حضرت والد ماجد نے رسولِ اکرم **صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم** کی رویتِ حقیقیہ کے ناممکنُ الوقوع ہونے کے سبب نہیں، بلکہ کچھ اور وجوہات کی بنا پر، مُسترد فرمایا تھا۔

ضِمناً، یہ بات بھی ان وجوہات میں شامل ہوگئی۔ **وَاللّٰہُ اَعْلم۔**

''حضرت والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) اپنے ایک ہم عصر بزرگ کی ملاقات کو گئے۔

جو، نسبتِ اُوَیسیہ میں مشہور اور حد درجہ، خوش طبع تھے۔

طویل گفتگو کے بعد حضرتِ والا نے ان سے فرمایا کہ:

رسولِ اکرم **صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم** کی روحِ شریفہ سے فیضان، حاصل کرنا

نسبت کے بغیر، ناممکن ہے۔ اور نسبت کا تقاضا، یہ ہے کہ:

صاحبِ نسبت اور مرکزِ نسبت کے درمیان، تمام اَحوال واَعمال میں موافقت ہو۔

یہ بجا ہے کہ آپ کو ایک قسم کی نسبت، حاصل ہے۔

لیکن، اگر آپ، فضول اور بیہودہ کلام سے اِجتناب کریں اور اپنی زندگی کو سیرتِ نبوی کا نمونہ بنائیں، تو یقیناً، آپ کی نسبت، مضبوط تر ہو جائے گی۔ اور دَرِ فیض بھی کھل جائے گا۔

کس قدر بُری بات ہے کہ:

چند گھٹیا قسم کی رکاوٹیں، آپ کو پاکیزہ مقاصد تک پہنچنے سے روکے ہوئے ہیں۔

سننے میں آیا ہے کہ حضرتِ والا کے یہ کلمات

اس بزرگ کے دل میں پیوست ہو گئے اور فضول گوئی سے قدرے رُک گئے۔''

(بَوَارِقُ الولایۃ۔ مشمولہ: اَنفاس العارفین)

''واضح ہو کہ آپ (شاہ عبدالرحیم) کی زبانِ مبارک سے بار ہا، خلوت میں سنا گیا کہ:

مجھے جو نسبت، حضرت غوثِ اعظم سے ملی ہے، وہ بہت ہی صاف اور حد درجہ نازک ہے۔

اور، جو نسبت، حضرت خواجہ نقشبند سے ملی ہے، وہ غالب تر اور حد درجہ مؤثر ہے۔

اور، جو نسبت، حضرت خواجہ معین الدین، چشتی سے پائی ہے

وہ، عشق کے قریب، تاثیرِ اَسما اور صَفائے دل کی مظہر ہے۔

کاتبُ الحروف (ولی اللہ، دہلوی) کو آپ کے الفاظ، تو یاد نہیں رہے

مگر، مفہوم، تقریباً یہی تھا۔ **وَاللّٰہُ اَعلم۔**

نیز، آپ کی باتوں اور علم سے اکثر و بیشتر، مُترشّح ہوتا تھا کہ:

کسی ایک طریقے کے بزرگ کو، دوسرے طریقے کے بزرگ پر فضیلت، یا ترجیح دینے کو خاص طور پر، اس انداز سے کہ ایک کی تنقیص، مقصود ہو، آپ، سخت ناپسند فرماتے تھے۔''

(بَوَارِقُ الولایۃ۔ مشمولہ: اَنفاس العارفین ۔ مؤلّفہ: شاہ ولی اللہ، محدّث دہلوی)

''حضرتِ والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی)

شیخ اکبر، مُحی الدین ابن عربی کی بہت تعظیم کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ:

اگر، میں چاہوں، تو ''**فُصُوص**''کو، برسرِ منبر، بیان کر کے

اس کے تمام مسائل کے اِثبات کے لئے آیات واحادیث کے دلائل، پیش کر دوں۔

اور اس انداز سے بیان کروں کہ کسی کا شک، باقی نہ رہے۔

مگر، اس کے باوجود، آپ ''**وحدۃُ الوجود**'' کے کُھلّم کُھلّا بیان سے اِحتراز فرماتے تھے۔

کیوں کہ اس دَور کے اکثر لوگ، اس کے سمجھنے کی اہلیت، نہیں رکھتے۔

اور ناسمجھی کی بنا پر، اِلحاد اور زندقہ کے بھنور میں پھنس جاتے ہیں۔

اس احتیاط کے باوجود بھی آپ کی کئی تقریروں میں ''**وحدۃُ الوجود**'' کا رنگ جھلکتا تھا۔

اور، اس فقیر (ولی اللہ، دہلوی) کو رسائلِ وحدۃ الوجود کے مطالعہ کی اکثر ترغیب دیا کرتے تھے۔

نیز، اس فقیر (ولی اللہ، دہلوی) نے، لَوائح، شرح رباعیات، اور مقدمۂ شرحِ لَمعات

پورے غور وخوض کے ساتھ، حضرت والا سے پڑھی ہیں۔

اور بعض یارانِ حلقہ نے، اَلفُصُوص بھی حضرت والا سے پڑھی ہے۔

ان کے ساتھ، کبھی کبھی، فقیر (ولی اللہ، دہلوی) بھی شامل ہو جاتا تھا۔

آپ، ان مسائل کا حل، بخوبی فرماتے تھے۔'' الخ۔

(بَوارِقُ الولایۃ۔ مشمولہ: اَنفاس العارفین)

''ایک دن، حضرت والا، نمازِ ظہر کے بعد، اِس فقیر کی طرف، متوجہ ہوئے۔

اور فی البدیہہ، یہ رباعی پڑھی:

گر، تو راہِ حق بخواہی اے پسر   خاطرِ کس را مَرنجاں، اَلحذر

درطریقت، رُکنِ اعظم ،رحمت است　　ایں چنیں فرمود، آں خَیرُ البشر

پھر،فرمایا کہ:قلم دوات لاؤ اور لکھ لو۔کیوں کہ حضرت حق سُبحٰنَهٗ وتعالیٰ نے
یہ شعر،اچانک میرے دل پر، اِلقا فرمایا ہے۔تا کہ تجھے اس کے ذریعہ،وصیت کروں۔
پھر،اشارے سے فرمایا کہ: یہ بہت بڑی نعمت ہے۔جس کا شکر،لازم ہے۔
یہ رباعی بھی حضرت کے پاکیزہ خیال کا مُرقّع ہے۔

اے کہ نعمت ہائے تو،اَز حد فزُوں　　شکرِ نعمت ہائے تو،اَزحد بروں
عجز از شکرِ تو،باشد شکرِ ما　　گر بود فضلِ تو،مارا رہنموں

اس فقیر (ولی اللہ، دہلوی) کو اپنی مجلس اور صحبت میں معاملاتِ دُنیوی کے طریقے
اور حکمتِ عملی،خوب سکھاتے تھے۔ان میں سے جو کچھ،حافظے میں باقی رہ گیا ہے
ان میں سے چند جواہر پارے، یہ ہیں۔فرماتے تھے:

☆مجلس میں،کسی بھی قوم کی تنقیص،نہ،بیان کرو۔
یہ نہ کہو کہ: پُورب والے،ایسے ہیں۔اور پنجابی،ایسے ہیں۔اور مُغل،ایسے ہیں۔
ہوسکتا ہے کہ اس مجلس میں اس قوم کا کوئی مردِ میدان بیٹھا ہو۔
یا۔اس علاقے کا کوئی باہمت آدمی۔اور وہ،اسے بُرا سمجھے۔
پھر،اہلِ مجلس کا مزہ،کر کرا ہو جائے۔

☆عوام کے خلاف،ہرگز،کوئی بات،زبان پر نہیں لانی چاہیے۔
چاہے کتنی ہی سچی اور صحیح کیوں نہ ہو۔
ہوسکتا ہے کہ سب،بپھر جائیں اور مجلس،بدمزہ ہو جائے۔

☆اگر،کسی آدمی سے کچھ کام ہے،تو حاجت،پیش کرنے سے پہلے
بہت ہی خوب صورت تمہید باندھو۔پھر،تدریجاً،اپنی حاجت،پیش کرو۔
ایسا نہ ہو کہ اپنی ضرورت کی بات،اس کے سامنے،پتھر کی طرح،دے مارو۔

☆مجلسِ عام میں کسی بھی شخص کی،کھُلَّم کھُلاَّ تنقید وتردید،ہرگز نہ کرو۔

☆آدمی کو لباس ایسا اختیار کرنا چاہیے،جس سے اس کی صفتِ کمال کا اظہار ہوتا ہو۔مثلاً:
دانش مند کو،دانش مندوں جیسا لباس پہننا چاہیے اور ان جیسی زندگی گذارنی چاہیے۔
اور فقیروں کو فقیرانہ لباس پہننا اور طریقِ فُقَرا،اِختیار کرنا چاہیے۔

☆بزرگوں سے بات کرتے وقت،پیچیدہ اور گنجلک الفاظ،استعمال کرنا
اور بہت آہستگی سے بات کرنا،مناسب نہیں۔

☆اگر،تم سے شجاعت،سخاوت،یا۔جواں مَردی کی کوئی خوبی،ظہور پذیر ہو
تو ایسا اِہتمام کرنا چاہیے کہ لوگ تمھارے اس کمال سے،باخبر ہوسکیں۔

☆بیمار پُرسی کا سب سے بڑا مقصد،مریض کی خوشنودی ہے۔نہ کہ صرف اس کے مزاج کی
کیفیت سے اطلاع پانا۔اسی طرح،تعزیت،سفارش اور اس قسم کی دوسری باتیں۔
پس،جو شخص،یہ سب چیزیں بجالاتا ہے اور صاحبِ معاملہ کو
اپنی محنت سے مطّلع نہیں کرتا،تو سمجھ لو کہ اس کی ساری محنت،ضائع گئی۔
اور ہر وہ کام،جس کے کرنے میں کوئی مصلحت
یا۔لوگوں کے درمیان،الفت ومحبت پیدا کرنا،یا۔صلح جُوئی ہو،وہ،اسی قبیل سے شمار ہوگا۔

☆دوسروں کو رخصت کرتے وقت،یا۔انھیں وصیت کرتے وقت
آپ اکثر،یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

آسائشِ دو گیتی،تفسیرِ ایں دو حرف است　　با دوستاں تلطُّف، با دشمناں مدارا

☆اگر تم سے کم تر درجے کے لوگ:
تمھیں،سلام کرنے میں پہل کریں،تو اس بات کو،انعاماتِ الٰہی میں سے
ایک نعمت سمجھو اور شکر بجالاؤ۔
ایسے لوگوں سے خندہ پیشانی سے پیش آؤ،اور ان کی خیر وعافیت پوچھو۔
اس بات کا قوی امکان ہے کہ تمھاری معمولی سی توجہ،انھیں بہت بڑی خوبی،نظر آئے۔
اور اس پر،وہ مَر مِٹیں کہ دوبارہ اگر ایسی توجہ نہ پائیں،تو دل شکستہ ہو جائیں۔

صد ملکِ دل بہ نیم نِگہ می تواں خرید
خوباں دریں معاملہ تقصیر می کنند

☆بعض لوگوں کی یہ حماقت ہے کہ:
لباس،یا کسی خاص عادت کو اپنے لئے ایک علامت بنالیتے ہیں۔
یا کوئی تکیۂ کلام،مقرر کر لیتے ہیں۔یا کسی ایک طعام سے مصنوعی نفرت،اختیار کر لیتے ہیں۔
اور پھر لوگ،ان عادات کی بنا پر،انھیں،اپنی ظرافت ومزاح کا نشانہ بناتے ہیں۔

☆بعض دوست، تجھ سے ذاتی محبت رکھتے ہیں۔ یعنی، اگر تمہاری محبت
آہستہ آہستہ ان کے دل میں بس جائے، تو پھر کسی حالت میں بھی ان کے دل سے نہیں نکل سکتی۔
نہ خوشی ومسرت کے عالَم میں اور نہ رنج وغم کے حالات میں۔
ایسے دوست کو غنیمت کا سبب جان کر، انھیں اولاد سے بھی زیادہ، عزیز رکھنا چاہیے۔
بعض دوستوں کی محبت کا سبب
ان پر تیری فضیلت اور تجھ سے ان کی ضروریات کی وابستگی میں پنہاں ہوتا ہے۔
اس لئے ہر دوست کی حیثیت پہچاننا چاہیے۔ سب کو ایک مقام نہیں دینا چاہیے۔
اور کسی دوست پر، اس کی حیثیت سے زیادہ، اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔
☆انسان کو ضروریاتِ زندگی کے استعمال میں صرف لذت اندوزی، مقصود نہ ہو۔ بلکہ زندگی
کی سب نعمتیں، تکمیلِ حاجت، تحصیلِ فضیلت اور اَدائے سُنَّت کے ارادے سے، حاصل کرنی چاہئیں۔
بول چال، سیر وتفریح، نشست وبرخاست میں ضعف ونقاہت کے باوجود
مَردانِ اولوالعزم کی سی طرز وعادت کو اختیار کرنا چاہیے۔
اور، اگر سوءِ اتفاق سے کوئی عیب، یا مکروہ فعل، یا بُخل تم سے صادر ہو جائے
تو اسے چھپانے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے اور اس سے شرمندگی محسوس کرنی چاہیے۔
اور اس کے بالمقابل، جو اچھی صفت ہو، اسے اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔
تا کہ وہ عیب، یا عادتِ بد، طبیعت میں راسخ، نہ ہونے پائے۔
جب آدابِ سفر کی گفتگو ہوتی، تو آپ، چوروں، ٹھگوں سے بچنے کی بہت تاکید فرماتے۔
اور اس قسم کے جو واقعات، سفرِ اکبرآباد میں پیش آئے، وہ بھی سنایا کرتے تھے۔''
(بَوارِقُ الولایۃ۔ مشمولہ: انفاس العارفین۔ مؤلّفہ: شاہ ولی اللہ محدِّث دہلوی۔
اردو ترجمہ از سید محمد فاروق القادری۔ مطبوعہ: مکتبۃ الفلاح دیوبند ضلع سہارنپور۔ یوپی انڈیا)
اپنے والد ماجد، حضرت شاہ عبدالرحیم، محدِّث دہلوی کا سَراپا
حضرت شاہ ولی اللہ، محدِّث دہلوی، یوں، بیان فرماتے ہیں:
''حضرتِ والا، شجاعت، فراست، غیرت جیسے اَخلاقِ حَسَنہ سے پورے طور پر، بَہرہ وَر تھے۔
اور اُمورِ آخرت کی سوجھ بوجھ کے ساتھ، اس دنیا کے معاشی اور اِقتصادی اُمور پر بھی
دسترس رکھتے تھے۔ اور ہر کام میں میانہ رَوِی، پسند کرتے تھے۔

نہ اس قدر اُمورِ دنیا سے غافل اور زُہد میں مُستغرق تھے کہ عبادات کو، رہبانیت سے ملا دیں
اور نہ اس قدر، آدابِ عبادت قیودِ مذہب سے بیگانہ کہ سُستی میں شمار ہو۔
آپ کے لباس اور وضع قطع سے ہمیشہ بے تکلفی ٹپکتی تھی۔
موٹا جھوٹا اور نرم وگداز جیسا بھی میسر آتا، پہن لیتے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ:
حق سُبحٰنَہٗ وتَعالیٰ نے بِلا طلب، انھیں اعلیٰ لباس، عنایت فرمایا۔
فرمایا کرتے تھے کہ: جب سے دنیا پر، لات ماری ہے
اب تک اپنے لئے بازار سے کبھی، لباس نہیں خریدا۔ نہ دستار، نہ جامہ اور نہ جوتے۔
حق سُبحٰنَہٗ وتَعالیٰ، یہ چیزیں، بوقتِ ضرورت، کثرت سے دیتا رہتا ہے۔
.......حضرت والد ماجد (شاہ عبدالرحیم، دہلوی) اُمَرا کے گھر نہیں جاتے تھے۔
اور یہ دروازہ اپنے لئے بالکل بند کر رکھا تھا۔
اگر، یہ لوگ آپ کی زیارت کے لئے آتے، تو آپ بہت ہی اَخلاق سے پیش آتے۔
اور سردارانِ قوم کو، خاص اکرام اور اعزاز سے نوازتے تھے۔
اگر، یہ لوگ، نصیحت کی درخواست کرتے
تو انتہائی مہربانی اور نرمی سے آپ یہ فرض، انجام دیتے تھے۔
اُمَرا، آپ کے اَمر بِالْمَعْرُوف اور نَہی عَنِ الْمُنکَر اور ایسے مسائل کو
جو قیاسِ ظنی سے ثابت ہیں، انتہائی سعادت مندی سے قبول کر لیتے تھے۔
علم اور عُلَما کی تعظیم اور جُہلا و جہالت سے نفرت، ہمیشہ آپ کا دستور رہا۔
ہر حال میں آثارِ نبوی کی پیروی، آپ کی زندگی کا مشن تھا۔
آپ کی اِستقامت کا عالَم، یہ تھا کہ:
سِوائے عُذرِ شرعی کے، اپنی پوری زندگی میں نماز باجماعت، کبھی، ترک نہیں کی۔
بزرگوں کا قول ہے کہ اَلاِسْتِقامۃُ فَوقَ الْکَرامۃ۔
(سنّتِ نبوی پر استقامت، کرامت سے بہتر ہے)
آپ نے اپنے بچپن اور شباب، بلکہ زندگی کے کسی دَور، کسی مرحلے میں بھی، غیر شرعی
اُمور کی طرف، رَغبت نہیں کی۔ گویا، طریقِ محمدی کی اِقتدا و اِتّباع، آپ کی فطرت میں داخل تھی۔
اُمورِ ضروری کے سلسلے میں آپ، خرید و فروخت، خود کیا کرتے تھے۔

عمامہ وغیرہ میں، نہ تو برخود غلط فُقہا کا طریقہ، اختیار کرتے، نہ رسوم وقیود سے آزاد فقیروں
کی طرز۔ بلکہ مشائخ صوفیہ کی طرح، لباس، استعمال فرمایا کرتے تھے۔
مجموعی طور پر، بے تکلُّفانہ زندگی بسر کرتے تھے۔
بجُز اشد ضرورت کے، قرض لینا، ناپسند کرتے تھے۔ اور ایسے لوگوں سے
اظہارِ ناراضی فرماتے، جو مختلف طعاموں اور میوہ جات کھانے کی وجہ سے ہمیشہ، مقروض رہتے۔
آپ، انھیں، سرزنش فرمایا کرتے تھے۔'' (**بَوَادِقُ الولایة۔ مشمولہ: اَنفاس العارفین**)
حضرت شاہ عبدالرحیم، دہلوی کے معمولات و وظائف اور زندگی کے آخری ایام کے
بعض حالات کے بارے میں شاہ ولی اللہ، رقم طراز ہیں:
'' آپ کو، ہر طرح کا علمِ وافر، حاصل تھا۔ کسی بھی فن کو چھوڑنے پر
آپ کی طبعِ رَسا، راضی نہیں ہوتی تھی۔ فنِ طب میں آپ، کامل دست گاہ رکھتے تھے۔
آپ کا وظیفہ تھا کہ نوافلِ تہجُّد، بلا قیدِ رکعات، نشاط ورغبت کے ساتھ، جتنی پڑھ پاتے
پڑھتے تھے۔ اِشراق اور چاشت کے علاوہ، نمازِ مغرب کے بعد
والدین اور بڑے بھائی کی اَرواح کو، ایصالِ ثواب کی نیت سے بھی دو رکعت پڑھتے تھے۔
اگر، کوئی معذوری نہ رہتی، تو ہمیشہ، تلاوتِ قرآن میں مشغول رہتے تھے۔
آپ، قرآن مجید، قواعدِ تجوید کی رعایت اور خوش آہنگی کے ساتھ پڑھتے تھے۔
روزانہ، تلاوتِ قرآنِ حکیم کے علاوہ، اکثر وبیشتر، دوستوں میں، ہر دن، ترجمہ وتفسیر کے بعد
بھی دو تین رکوع ایک ہزار مرتبہ درودِ پاک اور ایک ہزار مرتبہ ذِکرِ نفی واِثبات، کبھی نماز فجر سے پہلے
جَھرًا، اور کبھی، ذکرِ خفی اور بارہ ہزار مرتبہ اسمِ ذات (اللہ) ہمیشہ، بلاناغہ پڑھتے تھے۔
باوجود، ضعیفی اور بڑھاپے کے، یہ وظائف، ہمیشہ، جاری رہتے تھے۔
بجُز اُن اوقات کے، جن میں آپ پر، روحانی بےخودی، طاری ہوجاتی۔
اور یہ بےخودی، کبھی کبھی، بہت طویل ہوجایا کرتی تھی۔
سیدنا ومخدومنا، شیخ ابوالرَّضا محمد کی وفات کے بعد، بعض احباب کی درخواست پر
آپ نے، پہلے انداز پر، وعظوں کا سلسلہ، پھر شروع کیا۔
اکثر، مشکٰوۃ شریف، تنبیہُ الغافلین، اور غُنْیَۃُ الطَّالبین کا درس دیتے تھے۔
اور آخر میں تفسیرِ قرآن بھی شروع کردی تھی۔

جب، ان کتابوں کے درس سے فارغ ہوئے، تو ضعف، غالب آچکا تھا اور یہ سلسلہ، منقطع ہوگیا۔
اس فقیر (ولی اللہ، دہلوی) نے آپ کی زبان سے، بارہا سنا کہ:
ہم نے، جو کچھ پایا ہے، درود شریف اور مجرَّد توجہ کی بدولت پایا ہے۔''
آپ، غِنائے ظاہری کے لئے روزانہ، گیارہ مرتبہ، سورۂ مُزمّل اور گیارہ سو مرتبہ، یامُغْنِی
پڑھتے تھے۔ جس کی بدولت، ہر حالت میں بغیر کسی ظاہری سبب کے
حق سُبْحٰنَہٗ وتَعالیٰ، لوگوں کو، دِلی طور پر، اُن کی خدمت میں، حاضر ومُصِر رکھتا تھا۔
آپ کی آخری عمر میں جب رمضان المبارک کا چاند نظر آیا
تو پرانے دستور کے مطابق، صیام وقیام میں مشغول ہوگئے۔
حالاں کہ پیرِ فانی ہونے کی وجہ سے، روزے کی طاقت، نہیں رکھتے تھے۔
اور شرعی طور پر آپ، رخصتِ اِفطار کے مستحق تھے۔
یہ فقیر (ولی اللہ، دہلوی) اور سارے گھر والے، آپ سے پوچھتے کہ:
رخصتِ شرعی کے باوجود، اتنی تکلیفیں، کیوں برداشت کررہے ہیں؟
تو فرماتے کہ: ضعیفی کے سبب، زیادہ سے زیادہ، یہی ہوگا کہ:
بے ہوش ہوجاؤں گا۔
اور بے ہوش ہونے کی عادت میں نے پہلے سے اپنے اندر پیدا کررکھی ہے۔ یعنی، حالتِ غَیْبَت۔
جب، شوال کا چاند نظر آیا، تو اِشتہا، بالکل ختم ہوگئی۔ اور کمزوری بڑھنے لگی، جس سے ہیضہ ہوگیا۔
چنانچہ، زندگی کی امید، منقطع ہوچکی تھی اور مُردوں کی طرح گر پڑے تھے۔
یہ فقیر بھی حاضر تھا۔ زبان پر، اَستَغفِرُاللّٰہَ الَّذِی لَااِلٰہَ اِلَّاھُوَالْحَیُّ الْقَیُّومُ جاری ہوا۔
بعد میں آپ، رُوبہ صحت ہونے لگے اور مرض کی شدَّت گھٹتی گئی۔
یہاں تک کہ پھر، ماہِ صفر کے ابتدائی ایام میں مرض نے دوبارہ، حملہ کیا۔
اور صبحِ صادق سے پہلے، موت کے آثار، ظاہر ہونے لگے۔
آپ کا عزم یہ تھا کہ نمازِ فجر، قضا نہ ہو۔
چند بار، حالتِ ضعف میں پوچھا کہ: صبح ہوئی ہے، یا نہیں؟ حاضرین نے کہا: نہیں۔
جب موت، قریب ہوئی، تو جواب دینے والوں کو، جھڑک کر کہا کہ:
تمھاری نماز کا وقت، نہیں ہوا۔ مگر، ہماری نماز کا وقت ہوچکا ہے۔''

پھر فرمایا: مجھے، رُوبقبلہ کرو۔ اور یوں، اشاروں میں نماز ادا کی۔ حالاں کہ وقتِ نماز میں شک تھا۔
نماز پڑھ کر، زیرِ لَب، اسمِ ذات (اللہ) کا وِرد کرتے ہوئے زندگیِ مُستعار کی امانت
خالقِ حقیقی کے سپرد کردی۔
یہ اَلم ناک واقعہ، بادشاہ فَرُّخ سِیَر کے آخر عہد میں، بُدھ کے روز ۱۲/صفر ۱۱۳۱ھ کو رُونما ہوا۔"
(**بَوارِقُ الولایۃ**۔ مشمولہ: انفاس العارفین۔ مؤلّفہ: شاہ ولی اللہ، محدِّث دہلوی۔
اردو ترجمہ از سید محمد فاروق القادری۔ مطبوعہ: مکتبہ الفلاح، دیوبند ضلع سہارن پور۔ یو پی۔ انڈیا)

○○○